سنبل اور سلاسل

دینا ناتھ رفیق

DEVINDER

سنبل و ریحان

۱

دنیا ما تحقیق رفیق

لکھنؤ

سنبل ریحاں

دینا ناتھ فریدؔ

شکریہ

میں جموں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ
لنگویجز کا تہہ دل سے ممنون ہوں جس نے میری حوصلہ
افزائی کے خیال سے میرے مجموعۂ کلام "سنبل و ریحان"
کی طباعت کے لئے مبلغ چار صد نوّے روپیہ کی گراں
قدر رقم بطور سبسڈی (Subsidy) منظور فرمائی ہے۔
میں اُن احباب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں
جنہوں نے میری اس کامیابی پر مجھے مبارکباد دی ہے اور
اکیڈیمی کی سرپرستی کو سراہا ہے۔

انتساب

اُس مادرِ مہرباں کے نام جس کی آغوشِ
شفقت اور بے پناہ محبت ہر وقت اور ہر حال میں میرے
شاملِ حال رہی ۔ یہ اُسی کی اَن تھک کوششوں ، دلی
کاوشوں اور شبانہ روز دعاؤں کا اثر ہے کہ میں سنبل و
ریحاں کے اِس گلدستۂ ادب کو آپ کی خدمتِ اقدس
میں پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں ۔

تعارف

پونچھ کی وادی علم و ادب اور سخنوری کے حوالے سے نمایاں ہے۔ اس جمیل
سی خوب صورت وادی نے اردو ادب کو کئی ادیب و شاعر دیے
ہیں۔ مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم۔ کرشن چندر۔ [illegible]
پونچھی اور اسی قبیل کے دیگر کئی فنکاروں نے ابتدائی انسپیریشن
inspiration اسی سرسبز و گلپوش وادی سے حاصل کی۔ فن
کاروں کے اس کارواں میں محترم چودھری دینا ناتھ رفیق بھی شامل
ہیں۔ جن سے قارئین کو متعارف کرانے کی سعادت مجھے حاصل ہو رہی ہے
رفیق صاحب ہمارے ان شاعروں میں سے ہیں جو ستائش
کی تمنا نہ صلے کی پرواہ کے مصداق اردو شاعری کے گلشن کی
آبیاری بھی اپنے خونِ جگر سے کرتے آ رہے ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے آپ معلم
ہیں۔ اور عرصہ پچاس سال سے خدمت ادب کے ساتھ ساتھ درس تدریس
کا نیک فریضہ سرانجام دیتے آ رہے ہیں۔ مذکورہ بالا فنکاروں میں سے
مولانا حسرت کو چھوڑ کر باقی تمام ادیبوں اور شاعروں نے ان سے
فیضان حاصل کیا ہے۔ اب بھی اہل پونچھ ان کے مکتب کو اپنے
بچوں کی روحانی اور اخلاقی صحت کی ضمانت سمجھتے ہیں۔

میں نے مندرجہ بالا باتیں محض برسبیلِ تذکرہ نہیں کہیں۔ دراصل
یہ وہ حقائق ہیں جن کے پس منظر میں محترم رفیق صاحب کے مجموعۂ کلام
"سنبل و ریحاں" کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اس مجموعے میں جو چیز
سب سے پہلے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرواتی ہے وہ ایک معلم کا
خلوص ہے۔ ایک ایسا خلوص جس کا محرک خدمتِ خلق کا جذبہ ہے اور
یہ خدمتِ خلق بلا امتیاز مذہب و ملت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رفیق صاحب
نے اپنی نظموں میں ان تمام بزرگوں کی ثنا خوانی کی ہے جو بنی نوعِ انسان
کو حق و صداقت کی راہ دکھانے کے لئے اوتار بن کر اس دنیا میں آتے رہے۔
شری کرشن جی، حضرت محمدؐ، گورو نانک دیو جی، شہیدِ اعظم حضرت امام
حسینؑ اور گورو گوبند سنگھ جی پر ان کی نظمیں انسانیت اور بنی نوعِ انسان
کی خدمت میں ان کے ایمان کی غمازی کرتی ہیں۔ مشاہیرِ عالم کے ساتھ
ساتھ مشاہیرِ ہند کو بھی انہوں نے نظموں کا موضوع بنایا ہے اور ان میں
بھی گاندھی جی اور ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے تئیں ایک عمیق حسنِ عقیدت
کا اظہار کیا ہے۔

"سنبل و ریحاں" میں غزلیں بھی کافی تعداد میں شامل ہیں اور
ان غزلوں کی جان بھی شاعر کا خلوص ہے۔ غزلوں میں رفیق صاحب روایت
کے پرستار ہیں۔ لیکن ان کی روایت پرستی اندھی پرستش نہیں ہے۔
بلکہ جا بجا دنیاوی حقائق ان کے شعور سے ٹکراتے ہیں اور وہ ان
کی آواز پر لبیک کہنے سے ہچکچاتے نہیں۔ ان کی غزلیں غمِ دوراں اور

غمِ جاناں کا بہترین امتزاج ہیں۔ اور ان کے ہر مصرعہ میں خونِ جگر کی آمیزش ملے گی۔ مزید بحث سے گریز کرتے ہوئے ان کا مجموعۂ کلام سنبل و ریحاں قارئین کرام کی نذر کرتا ہوں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ان کی یہ کاوش داد و تحسین پائے گی۔ کیونکہ خلوص کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔

بیت کمار بخشی ایم اے
لیکچرار شعبۂ اردو
گورنمنٹ کالج پونچھ

۱۰ اگست سنہ ۱۹۶۹ء

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

شاعر کہلوانا اور بات ہے اور شاعر ہونا اور۔ میں نے کبھی اس بات کا دعوےٰ نہیں کیا کہ میں شاعر ہوں۔ عوام اگر مجھے شاعر کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں تو یہ ان کا حسنِ ظن ہے۔ یہ والدہ خلد آشیانی کی ایک قلبی آرزو تھی جس نے مجھے اس صف میں لا کھڑا کیا۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں شعر و شاعری۔ اُن کی تمنا تھی کہ ان کا لختِ جگر بھی دیگر اکابرانِ قوم کی طرح قوم کے اسٹیج پر گونجتا گرجتا نظر آئے۔ اس کے ترانے بھی لوگوں کا دل بہلائیں۔ اور عوام اُٹھ کر بھی خراجِ عقیدت پیش کریں۔ ان کی آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے میں نے شروع شروع میں بھجن اور بعد میں نظمیں لکھنا شروع کیں۔ یہ تخلیقات اپنے پریوار کے بجائے خود اپنے تک ہی محدود رہیں۔ کیوں کہ انہیں کبھی اسٹیج پر ادا کرنے کی نہ مجھ میں ہمت تھی نہ سماج تک ان کو پہنچانے کا ذریعہ ہی حاصل تھا۔ اس کمی کو بھی خلد آشیانی والدہ نے ہی پورا کیا۔ ماہ چیت کی رام نومی کے موقع پر مقامی سناتن دھرم سبھا کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ اس میں ریاست کے وزراء وزیر اور دیگر افسران بڑی تعداد پورے جوش و خروش سے حصہ لیتے تھے۔ میرے چچا چودھری کیلاش رام جی اس سبھا کے نائب صدر تھے۔ والدہ

نے ان کے پاس ... اگرچہ ... تحریر میں ہوا یا اور ...

"کارنامے" سے مطلع کیا۔ میری عمر اس وقت پندرہ سولہ سال کی تھی۔ میں
حیران ہوا کہ ایسے بڑے جلسے میں جہاں پنجاب کے نامی گرامی اپدیشک
اور چوٹی کے مقررین اپنی بلند پایہ تقریروں سے حاضرین کو محظوظ
کر رہے تھے۔ میں کیا کہہ سکوں گا۔ تاہم ماں کی تھپکیوں نے ڈھارس
بندھائی اور میں نے رامائن کو تیس شعروں میں قلمبند کیا۔
برادری میں بابو لعل چند وفا جو شاعری سے شغف رکھتے
تھے۔ نظم دکھانے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صاحب موصوف
نے نظم کو دیکھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر یہ پہلی کوشش ہے تو
قابل داد ہے۔ لیکن اس نظم میں چند رامائن کے واقعات بیان کئے
گئے ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ سابقہ زمانے کا مقابلہ موجودہ زمانے سے
کر کے دکھائیں۔ تمام نظم میں انہوں نے صرف دس شعر رہنے دیئے
باقی سب بدل دینے کو کہا۔ شام کو کوئی گھنٹہ بھر کی کوشش کے
بعد نظم مکمل کر کے وفا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میرے
دماغ کی زرخیزی کی تعریف کرتے ہوئے گویا ہوئے کہ آپ
مستقبل قریب میں نمایاں ترقی کریں گے۔ اس پہلی نظم نے ہی
مجھ پر شہرت کے دروازے کھول دیئے اور پھر رفتہ رفتہ نوبت
یہاں تک پہنچی کہ مذہبی انجمنیں وہ جلسے ہندوؤں کی ہوں
یا مسلمانوں کی۔ سکھوں کی ہوں یا عیسائیوں کی۔ اپنی ہر
تقریب میں مجھے مدعو کرتے اور میری نظم سننے کے لئے
جتنا مضطرب و بے قرار رہتے

شاعری کے لحاظ سے یہ نظمیں ٹھیک تھیں یا نہیں اس کا مجھے اُن دنوں کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن خیالات کی شستگی اور موزونیت سے انہیں ہر دفعہ قبولیت حاصل ہوتی رہی اور میرا وقار نمایاں ترقی کرتا گیا۔

سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے پر مجھے تلاشِ معاش میں جموں جانا پڑا۔ جہاں سردار مہندر سنگھ صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن جموں کی وساطت سے مجھے پنڈت موتی لعل جی نہرو کی صد سالہ برسی کی تقریب پر پبلک سے متعارف ہونے کا موقعہ ملا۔ میری نظم نے یہاں وہ خراجِ تحسین حاصل کیا کہ تقریب کے خاتمہ پر ہر کسی نے مجھے بازوؤں میں لینے کی سعی کی۔ اس طرح جموں کے شعراء کی صف میں مجھے بھی قدم رکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ پبلک کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ میں جموں کی بزمِ فروغِ اردو کا نائب صدر منتخب ہوا اور بعد میں انجمن ادب جموں کا صدر بھی۔

جموں میں چودھری دیانند جی ایڈیٹر اخبار پربھات پونچھ کے ذریعے مجھے پنڈت کیلاش ناتھ کول میکش کاشمیری سے تعارف حاصل ہوا۔ میکش صاحب کا شمار جموں کے چوٹی کے شعراء میں تھا۔ اُن کی صحبت میں مجھے پتہ چلا کہ شعر و شاعری کے بحرِ ذخار میں کتنا عمق ہے۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ میں تو ایک ادنیٰ تیراک کا بھی شعور نہیں۔ جموں کے شعرائے کرام کی صحبت سے بہت کچھ سیکھا۔ اور یہ اُن کی مہربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ میں اپنا تک ... دیوان کی اشاعت کی تکلیف دے رہا ہوں۔ یہ نظمیں بندیاں

جناب دینا ناتھ رفیق ریاست جموں و کشمیر کے اُن گنے چنے شعرائے کرام میں سے ہیں جنہیں "بیسوی صدی" کی حسین ادبی یادگار کہا جا سکتا ہے۔ اُن کا کلام اُن کی ریاضت کا آئینہ دار ہے۔ اُن کی ادبی زندگی ریاست کی ادبی تاریخ کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ چراغ حسین حسرت اگر ان کے ہم عصر تھے تو حضرت ٹھاکر پونچھی نے ابتدائی تعلیم رفیق صاحب سے حاصل کی ہے۔
رفیق صاحب اپنا شعری مجموعہ سُنبل و ریحان شائع کر رہے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ شعری مجموعہ ادبی دُنیا میں باوقار ادبی حیثیت حاصل کرنے کے علاوہ ادبی حلقوں میں اس کا شایانِ شان سواگت کیا جائے گا۔

رہبر جدید

پونچھ
مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۶۹ء



DINA NATH

"RAFIQ"

غزلیات

مجھ سے چھپا ہوا ہے کیا یہ بھی تجھے پتہ نہیں

رند بچا کیا وہ ساقیا کیف کا اس کو کیا پتہ

جام شرابِ سرمدی جس نے کبھی پیا نہیں

ڈھونڈ رہا ہے کس جگہ اپنے خدا کو اے رفیق

وہ رگِ جاں سے ہے قریب دور کبھی ہوا نہیں

۴

دل میں مرے آہیں ہیں لب پر مرے نالے ہیں

اب خوابِ محبت کے فرقت کے حوالے ہیں

دونوں کا تعلق میں اب ایک ہی عالم ہے

وہ تیغ سنبھالے ہیں ہم دل کو سنبھالے ہیں

اب وحشتِ نوردی نے دوبھر ہے میرا جینا

اس پلکوں میں کانٹے ہیں اس پاؤں میں چھالے ہیں

کروٹ بھی بدلنے کی اب کوئی نہیں صورت

اس سمت جو نشتر ہیں اس سمت میں بھالے ہیں

جو دل ترے جلووں سے رشکِ مہِ تاباں تھا

اس دل کے اندھیرے میں داغوں کے اجالے ہیں

موجود ہیں بت لیکن جلووں سے ہیں نامحرم

یہ کیسے پجاری ہیں یہ کیسے شوالے ہیں

دل سمجھا تھا اُلفت کو اک کھیل تماشا سا
ہم جان کھا لیوا ہے، اب جان کے لالے ہیں
کیوں حسن پہ نازاں ہے، یہ کبر نہیں اچھا
کتنوں ہی کے سر اس نے دنیا میں اچھالے ہیں
پامال زمیں میں ہم اک بلکھیں رفیق آخر
یہ شعر بھی جو کچھ ہیں، مشکل سے نکالے ہیں

۴

سوزِ فراق دل کو جلائے تو کیا کروں ؟
رہ رہ کے تیری یاد ستائے تو کیا کروں ؟
میں نے تو ہاتھ عشق سے کب کا اُٹھا لیا
تیرا خیال دل سے نہ جائے تو کیا کروں؟
جلوے تو اور بھی ہیں ہزاروں ترے سوا
میری نظر میں تو ہی سمائے تو کیا کروں؟
واعظ! یہ ترکِ جام کی تلقین بجا ـ مگر
کوئی نظر سے مجھ کو پلائے تو کیا کروں؟
نا آشنا وہ بت ہے زبانِ نگاہ سے ؛
مقصودِ دل زباں پہ نہ آئے تو کیا کروں ؛
چھٹا نہیں نگاہ میں گو منظرِ بہار

اُس گلی کی یاد ستائے تو کیا کروں؟
رہ رہ کے تو بس آ رہا ہے ذوقِ دید پر
وہ خواب میں بھی مُنہ نہ دکھائے تو کیا کروں
ہر روز عزم کرتا ہوں میں ترکِ عشق کا
پھر دل ہی دل بہانے بنائے تو کیا کروں؟
کہنے کو اُن سے دل میں نہیں کیا کچھ اے رفیق
کہنے کی بات لب پہ نہ آئے تو کیا کروں!

۴

میرے ہی دل کو شکوۂ آزارِ جاں نہ تھا
اُس بُت کے ظلم و قہر کا چرچا کہاں نہ تھا
گھر گھر سے اُس کی صورتِ زیبا کے تذکرے
میں ہی بیانِ حُسن کا اک مدح خواں نہ تھا
کیوں بے خودی سی ہر رگ و پے میں ہے موجزن
جب میں شریکِ محفلِ پیرِ مغاں نہ تھا
پردے پڑے ہوئے تھے مری ہی نگاہ پر
ورنہ تمہارے حسن کا جلوہ کہاں نہ تھا
کرنی پڑے گی ترکِ وفا بھی مآلِ کار
خود مجھ کو اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

ہر شاخ کے طواف میں برقِ بلا تھی کیوں؟
ہر شاخ پر چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
ہم کیوں اُلجھتے عشق میں وصل و فراق سے؟
اپنا ضمیر محرمِ سود و زیاں نہ تھا
ہر ذرّے سے عیاں تھی جھلک اس کے حسن کی
گو آنکھ سے نہاں تھا وہ لیکن نہاں نہ تھا
جاری تھی جوئے خوں بُنِ ہر موئے جسم سے
میں کیا کہوں کہ زخم کہاں تھا کہاں نہ تھا
شعلہ۔ شرار۔ برق۔ ستارے یہ کہکشاں
سوزِ دروں کا میرے فسانہ کہاں نہ تھا
ایسا نہ ایک لمحہ بھی گزرا جب اے رفیق
معمور اس کی یاد سے میرا جہاں نہ تھا

(۵)

روز و شب اِک دِل کو وقفِ صد بلا دیکھا کیے
آپ ہی ہم اپنا خونِ مدعا دیکھا کیے
ایک قلبِ ناتواں پر۔ ایک جانِ زار پر
سو بلا جھیلا کیے ہم، سو جفا دیکھا کیے
جلوۂ حسنِ خدا دِل میں نظر آیا جنہیں

(۱۴)

ہر جگہ وہ جلوۂ حسنِ خدا دیکھا کیے

دیکھنے والے کلیسا میں، حرم میں دیر میں
تیری قدرت کے کرشمے جا بہ جا دیکھا کیے

گُل کھلاتی ہی رہی اپنی دُعا بھی رات دن
درد کو پہلو میں پہلے سے سوا دیکھا کیے

مہر و ماہ و کہکشاں پر ہی نہیں موقوف کچھ
دہر کی ہر شئے میں ہم تیری ضیا دیکھا کیے

غیر سے بھی رسم و راہ، صاحب سلامت ہم سے بھی
ہر ادائے حُسن میں رنگ دونا دیکھا کیے

لاکھ وہ چھپتے رہے پردہ بہ پردہ، تہ بہ تہ
لاکھ پردوں میں ہم ان کو برملا دیکھا کیے

جا لیا منزل کو ہر ساتھی نے آگے بڑھ کے اے رفیق
اور ہم تو رستے میں مثلِ نقشِ پا دیکھا کیے

(۶)

پھر کوئی دیوانہ وقفِ نالہ و فریاد ہے
پھر زبانِ خلق پر افسانۂ بے داد ہے

قیس کا افسانہ کیا ہے۔ قصۂ فرہاد کیا؟
یہ بھی اپنی داستاں، وہ بھی مری رُوداد ہے

چارہ گر! اس کوشش پیہم سے آخر فائدہ
کل بھی تھا برباد یہ دل، آج بھی برباد ہے

کوئی دیکھے تو مرے ذوق شہادت کا اثر
رقص میں شمشیر ہے تو وجد میں جلاد ہے

کون کہتا ہے کہ مجھ کو تجھ سے کچھ نسبت نہیں
آنکھ میں تیرا تصور، دل میں تیری یاد ہے

دل پریشاں، جان مضطر اور نظریں فرش راہ
ابتدائے عشق کا وہ بھی زمانہ یاد ہے!

ایک میں ہی تشنہ لب ہوں، ورنہ تیری بزم میں
ہر کوئی مخمور ہے، مسرور ہے، دل شاد ہے

بے قراری کے وہ اگلے دن ہوئے خواب خیال
اب تو اپنے لب پہ ہر دم ہر جیہ یادا یاد ہے

کون سنتا ہے، سناؤں حال دل کس کو رفیق
وہ ستم گر تو ستم خو ہے، ستم ایجاد ہے

(۷)

رحم حال زار پر فرمائیے
اب نہ مجھ کو اس طرح تڑپائیے

پھر گئی ہے کیوں نگاہ التفات
کیا خطا ہم سے ہوئی فرمائیے

دیدہ و دل کو نہ اب ترسائیے
بندہ پرور، آئیے، آجائیے

زندگی ہے تیرگی ہی تیرگی — زندگی کی روشنی بن جائیے
کہہ رہا ہوں کب سے دل کی داستاں — آپ بھی تو کچھ نہ کچھ فرمائیے
حُسن تو ہے چار دن کی چاندنی — یوں نہ اپنے حُسن پر اترائیے
اب یہی ہے دردِ فرقت کا علاج — کھا کے کچھ آرام سے سو جائیے
شیخ صاحب دل ہے اندھا عقل کا — عقل کے اندھے کو کیا سمجھائیے
عشق سے تنگ آ گیا دل سا رفیق
راہ پر کیونکر اسے اب لائیے

۸

نزع دم ہی وہ مجھے آ کے خدایا دیکھیں
اپنی آنکھوں مرے مرنے کا تماشا دیکھیں
اُن کے دیدار کی حسرت میں ہیں ہیں چشم بہ راہ
میری آنکھوں سے عیاں دل کی تمنا دیکھیں
جس طرف اٹھتی ہیں سو حشر بپا ہوتے ہیں
کاش! وہ اپنی نگاہوں کا کرشما دیکھیں
کس طرح وار پہ میں وار سہے جاتا ہوں
میرا دل دیکھیں ذرا میرا کلیجا دیکھیں
ناز ہو جن کو بہت حسن کی یکتائی کا
کبھی آئینے میں وہ چہرۂ زیبا دیکھیں

خانۂ ویرانیٔ دل اپنی ہے صحرا سے سوا
خاک اُٹھے آنکھ کہ ہم جانب صحرا دیکھیں
کوئی صورت ہو، اُٹھائیں نہ کبھی اُس پہ آنکھ
جو ترے حُسنِ جہاں تاب کا جلوا دیکھیں
غش ہوئے جاتے ہیں جو خلد کی رعنائی پر
میرے کشمیر کا وہ جلوۂ رعنا دیکھیں
ذرّے میں، پھول میں، تاروں میں، سوچو
اے رفیقؔ اپنی ان دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھیں

۹

یہ دردِ دل ہے اس کو میں سرورِ دل سمجھتا ہوں
اسی باعث دوا کو محض لا حاصل سمجھتا ہوں
اگر میرا سفینہ ڈوب بھی جائے تو غم کیسا
میں اک اک موجِ طوفاں خیز کو ساحل سمجھتا ہوں
کوئی بسمل، کوئی بے جان، کوئی زخمی کوئی نالاں
اولئے ناوکِ مژگاں کو میں قاتل سمجھتا ہوں
غمِ جاناں سے میرا جی کبھی اُکتا نہیں سکتا
غمِ جاناں کو میں جانِ حیاتِ دل سمجھتا ہوں
غرض تجھ سے ہے، مطلب تجھ سے ہے مقصود تو ہی

جہانِ آباد کی ہر شے کو میں باطل سمجھتا ہوں
بنا دو ہی مجھے ہے آستانِ دیر اور کعبہ کا
تری منزل کو دلبر اپنی ہی منزل سمجھتا ہوں
حقیقت دل کو ہوتی جا رہی ہے بے قراری سے
اسی کو مانیئے سچ میں سکونِ دل سمجھتا ہوں
کبھی باطل تھا تصویرِ حقیقت میری نظروں سے
حقیقت کو بھی اب میں صورتِ باطل سمجھتا ہوں
فدا ہو شمعِ الفت پر جو دل سے مثلِ پروانہ
رفیقؔ اُس عاشقِ جانباز کو کامل سمجھتا ہوں

(۱۰)

منتخب ہم نے کیا تجھ کو جہاں سے پہلے
دل میں دی تجھ کو جگہ وہم و گماں سے پہلے
باغباں رکھے بھی کیا اپنے گلستاں سے امید
ہو جہاں دورِ خزاں ، دورِ خزاں سے پہلے
رازِ اُلفت کا چھپائے سے کہیں چھپتا ہے
کہتا ہے دیدہ ترِ حال ، زباں سے پہلے
نشترِ غم ہیں کبھی تیرِ نظر ہیں گاہے
جسم زخمی ہے یہاں ، تیغ و سناں سے پہلے

یہ معمّہ تو سمجھ میں نہیں آیا زاہد!
آپ مے خانہ میں اِدر پیرِ مغاں سے پہلے؟

یا تو صیّاد کا گھر جل کے رہے گا یا قفس
"دیکھیں آتی ہے یہ آواز کہاں سے پہلے"

کچھ نظر آتی نہیں خلد کی اب فوقیت
رابطہ تجھ سے ہوا، حورِ جناں سے پہلے

اب تو ہر شخص کے لب پر یہی کلمہ ہے
موت آجاتی کہیں دورِ گراں سے پہلے

اے رفیق آج تجھے سود و زیاں کی سوجھی
عشق میں سود نہیں ملتا زیاں سے پہلے

(۱۱)

ہوئے رمزِ حق سے جو آشنا، انہیں کام دیر و حرم سے کیا؟
جو رہینِ صبر و شکیب ہیں، انہیں چاہ جاہ و حشم سے کیا؟
جو اسیرِ حلقۂ زلف ہیں، کسی ماہ وش پہ فدا ہیں جو
انہیں خلد کی ہے طلب کہاں انہیں گشتِ باغِ ارم سے کیا؟
جنہیں وصلِ یار کی چاہ ہو، جنہیں دیدِ حسن کی ہو طلب
انہیں عزّ و جاہ سے کیا غرض، انہیں کام دام و درم سے کیا؟
جو قتیلِ خنجرِ ناز ہوں، جو شہیدِ ناوکِ یار ہوں

وہ رہیں گے دہر میں جاوداں، اُنہیں سوزِ ملکِ عدم سے کیا؟
جو فراقِ یار میں رات دن ہوں مثالِ بسمل نیم جاں
وہ خزاں نصیب ہیں بوستاں انہیں فصلِ گل کے کرم سے کیا؟
نہیں جن کے دل میں تڑپ ذرا، نہیں جن کے سینے میں درد ہے
انہیں بیکسوں سے ہو پیار کیا، اُنہیں بے بسوں کے الم سے کیا؟
جنہیں چشم ہائے سیاہ نے ہوں پلائے جام بلا طلب
اُنہیں بزمِ ساقی کی کیا غرض، اُنہیں مے سے کیا اُنہیں جامِ جم سے کیا؟
جو حدودِ غم کی گزر گئے، بڑھے آگے تیری تلاش میں
اُنہیں کلفتیں نہ ڈرا سکیں، اُنہیں بیمِ تیغِ ستم سے کیا؟
نہیں اشک پونچھے اگر کبھی کسی بے سہارے کے اے رفیق!
تیری زندگی گئی رائیگاں، تیری شانِ قید و رحم سے کیا؟

۱۲

اس سے کیا گر یہ وہ مسلماں ہے — یہ بھی انساں ہے وہ بھی انساں ہے
اشکِ خونیں، دلِ سوختہ، سوزِ غم — جو بھی کچھ ہے محبت کا فیضان ہے
کس طرح ترکِ الفت کروں ناصحا — عشق کا مجھ پہ کچھ کم نہ احسان ہے
کیا مزے میں کٹے گی مری زندگی — اک حسیں سے ہوئی جان پہچان ہے
کس ادا سے سرِ بزم دیکھا صنم — ایک عالم کا عالم پریشان ہے
جس کو عشق و محبت سے یارا نہیں — اُس سا ناداں بھی کوئی ناداں ہے

بھا گئیں ہم کو دُنیا کی رنگینیاں　　کھو دیا ان میں سب دین و ایمان ہے
میرے سینے کے داغوں کو دیکھو گے کیا　　میرا سینہ تو اک انجمنستان ہے
چھوڑ گرداب میں چل دیئے ناخدا　　اب خدا ہی ہمارا نگہبان ہے
بے وفا اک نظر ہی اپنے دیکھ لے　　چند لمحوں کا بیمار مہمان ہے
جس طرف دیکھئے آدمی آدمی　　آدمیت کا پھر کیوں یہ فقدان ہے
ایک ہی راہ کے ہیں یہ رہبر سبھی　　وید انجیل ہے چاہے قرآن ہے

آدمیت کو مسلک بنا اے رفیق
آدمیت خدا اور ایمان ہے

۱۳

رنج و آلام میں گو آج بسر ہوتی ہے
شبِ تاریک کی آخر تو سحر ہوتی ہے
ضبط میں لب بھی سئے رہتے ہیں اپنے لیکن
اشک ڈھلتے ہیں تو دُنیا کو خبر ہوتی ہے
لاکھ پردوں میں چھپائیے پھر دمِ عشق کی بات
یہ خبر ایسی ہے بے تار نشر ہوتی ہے
مال بھی تم پہ لٹا بیٹھے متاعِ دل بھی
پوچھتے کیا ہو کہ کس طور گزر ہوتی ہے
ساتھ دیتی نہیں ہر دور میں اچھی قسمت

چھاؤں ہے گاہے اِدھر گاہے اُدھر ہوتی ہے

دِل کی گہرائی میں بستے ہی اُتر جائے جو
وہ فقط اپنے ہی دِلبر کی نظر ہوتی ہے

سیج پھولوں کی نہیں عشق کسی سے کرنا
یہ مہم جان کی بازی پہ ہی سَر ہوتی ہے

دِل کی تخریب کا کیوں تم نے اِرادہ باندھا
"یہ وہ بستی ہے جو محبوب کا گھر ہوتی ہے"

شیخ ! تیری تو ہے سجدوں ہی پہ موقوف نماز
اپنی جب ہوتی ہے با دیدۂ تر ہوتی ہے

اَب نہ آنکھوں میں مروّت ہے نہ اُلفت دِل میں
بات جو ہوتی ہے، با تیغ و تبر ہوتی ہے

اہلِ عصیاں کی سنور جاتی ہے جس سے دُنیا
اے رفیق ! وہ تو فقط اُس کی نظر ہوتی ہے

۱۴

اِنتہائے ضبطِ رازِ عشق نے کیا کر دیا
حُسن تو معصوم تھا اُس کو بھی رُسوا کر دیا

اُس نِگاہِ ناز نے یہ کیا کرشمہ کر دیا
دیکھتے ہی دیکھتے مجھ کو تماشا کر دیا

جب خُدا کا کچھ پتہ پایا نہ میں نے دَیر میں
اُس بُت کافر کے نقشِ پا پہ سجدا کر دیا

ساتھ جیب و آستین کے دامنِ دل بھی ہے چاک
فصلِ گُل سے پہلے ہی وحشت نے یہ کیا کر دیا

چار سُو اُس کی تجلّی کی ہیں جلوہ ریزیاں
کیا ہوا گر اُس گُلِ یکتا نے پردا کر دیا

محض اِتنی بات پر یہ برہمی اچھی نہیں
"کیا ہوا جو میں نے اظہارِ تمنّا کر دیا"

روشنی ہی روشنی ہر سو ہے فردوسِ نگاہ
کون کہتا ہے مجھے اُلفت نے اندھا کر دیا

رَہ گیا ہر طالبِ جلوہ کلیجہ تھام کر
وہ نظر جس سمت اُٹھی، حشر برپا کر دیا

دَیر و کعبہ کی فضا بھی اور بھی سوہانِ روح
میکدے کے فیض نے دِل کو شکیبا کر دیا

کِس قدر ناداں ہے یہ اندھی جوانی اے رفیقؔ
ہوگئی بدنام خود مجھ کو بھی رُسوا کر دیا

۱۵

ہم آہوں کا اُلٹا ہی اثر دیکھ رہے ہیں

کچھ اور سوا دردِ جگر دیکھ رہے ہیں

اِک چشمِ حقیقت ہے کہ کھلتی نہیں ورنہ
ہم دہر کو تو زیر و زبر دیکھ رہے ہیں

ہر جزو میں کُل دیکھتے ہیں دیکھنے والے
ہر ذرّے میں خورشید و قمر دیکھ رہے ہیں

پھر جانبِ دل تاکا ہے اُس برق ادا نے
ہم جلتا ہوا اپنا ہی گھر دیکھ رہے ہیں

دیکھے تو کوئی جوشِ تجلّی کا یہ عالم
حسرت زدہ سب اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں

اے دیدۂ تر! تیری کرامت کے تصدّق
ہر اشک میں ہم لعل و گہر دیکھ رہے ہیں

اُس حسنِ ستم گر کی عنایت ہے یہ ہم پر
لب پر ہے فغاں، آنکھ کو تر دیکھ رہے ہیں

سایہ تیری پلکوں کا ہے یا شام اودھ کی
ہم رُخ پہ بنارس کی سحر دیکھ رہے ہیں

میں خود ہی رفیق اپنی لگا ہوں میں سبک ہوں
کیوں لوگ مرے عیب و ہنر دیکھ رہے ہیں

۱۶

کس قدر دامن کش دل ہے نظارا حسن کا
ہر کسی دنیا کس کے لب پر ہے فسانا حسن کا

خوبیٔ تقدیر پر نازاں نہ ہو کیوں چشم شوق
جو کبھی دیکھا نہ تھا دیکھا وہ جلوا حسن کا

شوق دیدا اُس کا ہمیشہ کے لئے ہے مطمئن
اک نظر بھی کر لیا جس نے نظارا حسن کا

حسن کہتے ہیں جسے ہوتا ہے عالم گیر وہ
کیوں نہ ہر محفل میں ہر لب پر ہو چرچا حسن کا

گرمیٔ بازار عالم سے اُنہیں مطلب نہیں
جن کے سر میں رات دن رہتا ہو سودا حسن کا

خواب ہیں وہ دل کہ نظریں تشنۂ دیدار تھیں
اب تو ہم ہیں اور ہر دم ہی نظارا حسن کا

دہر کی ہو کوئی صورت، کوئی شے وہ ہے حسیں
اس سے ظاہر ہے کہ خود خالق ہے شیدا حسن کا

عازم کعبہ ہوں آخر کس لئے اہل نظر
[illegible] میں [illegible] ہیں جو [illegible] جلوا حسن کا

جس طرف دیکھو، جہاں دیکھو، وہیں ہے جلوہ گر
[illegible] ہے میں نظر [illegible] ہے جلوا حسن کا

خواب میں بھی ہو نہیں سکتا تصور سے الگ
نقش ہے کچھ اس طرح دل پر نظارا حسن کا

تکلف کی بارش ہوئی، جب بھی ہوا اغیار پر
ہم اٹھاتے رہ گئے منہ نابلے جا حسن کا

اس کی نظروں سے اتر جاتے ہیں جلوے دہر کے
اک نظر بھی جس نے دیکھا ہو تماشا حسن کا

اللہ اللہ خود ہی وہ تصویر بن کر رہ گئے
اہل دل کو جب نظر آیا سراپا حسن کا

میرا ایک اک شعر ہے جب حسن کا آئینہ دار
کیوں نہ ہر محفل میں ہو پھر ان سے چرچا حسن کا

مرتے دم بھی شعر کہتا جا رہا ہوں اے رفیق
حق تو یہ ہے یہ بھی ہے ادنیٰ کرشمہ حسن کا

۱۷

یہ کالی گھٹائیں، یہ ٹھنڈی ہوائیں
ترے ہجر میں کیوں نہ دل کو جلائیں

ہمیں شوق سے وہ ستائیں بھلائیں
لئے جا رہے ہیں، ہم ان کی بلائیں

وہ خنجر بکف سامنے آ گئے جب

ہمارے لبوں پر بھی آئیں دعائیں
خدا جانے کیا لطف دے لطف اُن کا
اداؤں سے بھی ہیں سوا جب جفائیں
مریضِ محبت کا عالم نہ پوچھو
دوائیں ہی ہیں کارگر نہ دعائیں
بہاریں ہیں کشمیر کی روح پرور
فضائیں ہیں اس کی اِرم کی فضائیں
اُدھر برق ہے تو اِدھر بادِ صرصر
نشیمن کہاں اہلِ گلشن بنائیں؟
نگاہوں سے ظاہر ہے سب رازِ دل کا
غمِ عشق کیوں کر کسی سے چھپائیں
رضیؔ! اب ہے دل میں یہی ایک حسرت
وہ ہم کو پلائیں یا ہم اُن کو پلائیں

۱۸

مرے خوابوں کی دُنیا کو بسانے کون آتا ہے؟
مری تقدیرِ خفتہ کو جگانے کون آتا ہے؟
مری دنیائے دل پر یاس ہو جاتی ہے جب طاری
مرے ظلمت کدے کو جگمگانے کون آتا ہے؟

میرا دل جان بلب ہو جب خیالِ مے پرستی میں
سرورِ انگیز نظر سے دل سے پلانے کون آتا ہے؟
نشیمن آرزوؤں کا تو میں خود ہی بناتا ہوں
مگر برقِ اَلم اس پر گرانے کون آتا ہے؟
کھڑا ہوتا ہے کوئی اپنے قدموں پر تو وہ خود ہی
نہیں تو گرتے پڑتوں کو اُٹھانے کون آتا ہے؟
اَدائیں حسن کی فطرت میں اپنے آپ شامل ہیں
اَدائیں ان حسینوں کو سکھانے کون آتا ہے؟
میرا دل جب بھی کرتا ہے ارادہ ترکِ اُلفت کا
وفا کی راہ پر مجھ کو چلانے کون آتا ہے؟
سُنا دیتا ہوں میں دل کو سنا دیتا ہے دل مجھ کو
اَلم کی داستاں سُننے سُنانے کون آتا ہے؟
کوئی آہٹ جو ہوتی ہے تو میرے کان بجتے ہیں
یہاں چل کر مجھے صورت دکھانے کون آتا ہے؟
بتاتا ہے مجھے رہ رہ کے میرا آنت جاں دل
مجھے آخر کہاں سے، کیا بتانے کون آتا ہے؟
مری تربت بنا تو دی مرے مُونسِ یاروں نے
یہ دیکھیں گے رفیقؔ! اس کو مٹانے کون آتا ہے؟

۱۹

ہمیں رہ رہ کے جس نے غم دیئے ہیں　　اُسی کے غم میں مر مر کر جیئے ہیں
کہوں کیا لذتِ آزارِ اُلفت　　خوشی سے زہر کے ساغر پیئے ہیں
رہا اِس درجہ پاسِ رازِ اُلفت　　ہمیشہ ہم نے اپنے لب سیئے ہیں
نہیں ممکن کبھی ہو جائیں ایفا　　وہ پیماں تم نے جو ہم سے کیے ہیں
کسے معلوم ! ہم نے کتنے الزام　　کسی کے عشق میں سر پر لیے ہیں
وہی ٹھہرے ہیں دشمن جان و دل کے　　ہمارے جان و دل جس کے لیے ہیں
بھروسہ کیا کرے کوئی کسی پر　　یہاں جتنے بھی ہیں بہروپیئے ہیں
ہوئی کافور اُن سے ظلمتِ غم　　یہ دل کے داغ بھی روشن دیئے ہیں

رفیق ! اپنی غزل ہے کیا مرصّع
نگینے ہیں یہ جتنے قافیئے ہیں

۲۰

کب کسی فرد سے ہم دردِ نہاں کہتے ہیں
ضمّم بکمّم آٹھوں پہر مہر بہ لب رہتے ہیں

بھول کی مار کبھی ہم لے بسی ہے اب تو
جو بھی افتاد پڑے دل پہ وہ سب سہتے ہیں

جان تک دینے سے بھی ہم نے تامّل نہ کیا
آپ دن رات مگر ہم سے کھنچے رہتے ہیں

رباعی

راہِ اُلفت پہ قدم رکھے اگر ڈر کیا ہے
لوگ کہتے رہیں جو بات بھی وہ کہتے ہیں
کیا غرض آپ کو ہے آنکھ اُٹھا کر دیکھیں
کس جگہ رہتے ہیں کس حال میں رہتے ہیں
زندگی اُن کی ہے جو عشق میں مرجائیں
خس و خاشاک تو دریا میں بہت بہتے ہیں
وقت کی چال کو ملحوظ نہ رکھیں جو رفیق
عاری از عقل و خرد اُن کو سبھی کہتے ہیں

۲۱

دل میں جب تیرے اشاروں کا خیال آتا ہے
شب تاریک میں تاروں کا خیال آتا ہے
جلوے فطرت کے نگاہوں سے اُتر جاتے ہیں
جب کبھی تیرے نظاروں کا خیال آتا ہے
حالِ دل کھول کے میں تجھ کو سناتا لیکن
تیری مژگاں پہ ستاروں کا خیال آتا ہے
دیکھ کر دھجیاں ہر سمت گریبانوں کی
مجھ کو رہ رہ کے بہاروں کا خیال آتا ہے
کب سے گرداب اَلم میں ہے سفینہ دل کا!

بحرِ الفت کے کناروں کا خیال آتا ہے

ساقیا! دیکھ کے محفل میں تری تشنہ لبی

تشنہ لب بادہ گساروں کا خیال آتا ہے

اے دلِ زار عبث ہے تجھے اس بت کا خیال

کب اُسے ہجر کے ماروں کا خیال آتا ہے

کوئی موسم ہو وہ پینے کو تو پیتے ہیں مگر

مے گساروں کو بہاروں کا خیال آتا ہے

غمِ دوراں ہی سے فرصت نہیں دن رات رفیق

کب بہاروں کا، نگاروں کا خیال آتا ہے

۲۲

جس طرف اٹھیں نگاہیں ہم جہاں دیکھا کئے

تیری قدرت یا تجھے اے جانِ جاں! دیکھا کئے

دہر کے ہر ذرۂ ناچیز میں بھی دیدہ ور

حسنِ بے پایاں کا تیرے ضو فشاں دیکھا کئے

سبزہ و گل ۔ کوہ و صحرا ۔ اور باغ و راغ میں

دیکھنے والے تجھے ہر سو عیاں دیکھا کئے

مل سکا اہلِ خرد کو جو نہ ہفت افلاک پر

ہر طرف اہلِ جنوں اُس کے نشاں دیکھا کئے

(۲۲)

جس کو آنکھوں پر بٹھایا ہو گیا دشمن وہی
ہم زمانے کی یہی نیرنگیاں دیکھا کیے

ہو گیا آنکھوں کے آگے راکھ اپنا آشیاں
اور ہم کنجِ قفس میں یہ سماں دیکھا کیے

فصلِ گل میں بھی رہی افسردہ یہ دل کی کلی
حیف! اس موسم میں بھی رنگِ خزاں دیکھا کیے

وسطِ امواج میں ہو ہی گئے غرقاب ہم
اور ساحل پر یہ منظر مہرباں دیکھا کیے

دم لیا منزل پہ جا کر ساتھیوں نے اے رفیق
ہم اسیرِ خواب گردِ کارواں دیکھا کیے

(۲۳)

لحد پر ہی مری گر دستِ گل فام آ جائے
وفا کیشی کا اپنی کچھ نہ کچھ انعام آ جائے

میں توبہ کر تو لوں واعظ! مگر امید کیا اس سے
کسی مہوش کے ہاتھوں ہاتھ میں جب جام آ جائے

مرا یہ دعویٰ ضبط و تحمل ہے تو دن بھر کا
دلِ خود سر مچل جاتا ہے جب بھی شام آ جائے

یہ دنیا چیز کیا ہے بھول جاتا ہوں خدا کو بھی

(۲۵)

زباں خود پہ جس ساعت تمہارا نام آ جائے
کسی سے مانگ کر اے بادہ خوارو پی اگر کچھ پی

مزہ تو ہے چھلک کر جام پر اک جام آ جائے
میرے کاشانۂ راحت پہ بجلی کوند جائے گی

سکوں میں جب بھی میری گردشِ ایام آ جائے
ہر وقتِ نزع بھی اپنا مگر ایسا نہیں ممکن

عیادت کو وہ میری دو گھڑی دو گام آ جائے
جوان و پیر محفل میں جھومیں سر وجد ہی آ کر

نگاہِ ناز گردش میں ترا جب جام آ جائے
ستم گاروں کے لکھے جا رہے ہیں نام دفتر میں

سنبھل ظالم! کہیں ان میں نہ تیرا نام آ جائے
تگ و دو کے جہاں میں وہ بشر ہی کامراں ہوگا

چمن کے خارزاروں پر جسے آرام آ جائے
نہ شوقِ پائمالی میں تو اندھا بن کے چل راہی

کبھی دیکھا تو کر سبزہ نہ زیرِ گام آ جائے
زباں میں یہ کہاں قدرت کہ میری داستاں کہہ دے

اگر محشر بکف گلفام وقتِ شام آ جائے
نہیں کچھ آرزو دل میں فقط اتنی تمنا ہے

خدایا زندگی میری وطن کے کام آ جائے

میں ہر اک چیز سے دُنیا کی ناطہ توڑ بیٹھا ہوں
فقط اک یاد دل میں ہے کہ شاید کام آ جائے
جہاں میں تیری کم ظرفی کے چرچے جا بہ جا ہوں گے
رفیق اپنا اگر محفل سے تشنہ کام آ جائے

(۴۷)

جو خود کو سمجھ جائیں وہ نادان نہیں ہوتے
خود اپنے پہ اترائیں جو، انساں نہیں ہوتے
جو عزم کے راسخ ہیں پرستارِ یقیں ہیں
وہ غیر کی طاقت سے ہراساں نہیں ہوتے
دریوزہ گری کرتے نہیں صاحبِ دانش
اربابِ قناعت کبھی حیراں نہیں ہوتے
اللہ کے بندوں کو جو انساں نہ سمجھیں
وہ اور کچھ ہوں گے، مگر انساں نہیں ہوتے
جو اٹھ کے تلاطم میں ڈبو دیں نہ کنارے
موجیں ہیں سمندر کی وہ طوفاں نہیں ہوتے
دم لیتے ہیں وہ منزلِ مقصود پہ جا کر
جو معتقدِ گردشِ دوراں نہیں ہوتے
گھبراتے نہیں موت سے ہیں عاشقِ صادق

مرجاتے ہیں وہ طالبِ درماں نہیں ہوتے

ہم اپنی وفا پر بھی شرمسار رہے ہیں
وہ اپنے ستم پر بھی پشیماں نہیں ہوتے

اربابِ وفا پیٹھ دکھاتے نہیں ہرگز
کوتاہ نظر خیر بداماں نہیں ہوتے

وابستہ کیا خار سے قدرت نے ہر اک گُل
بے خار کبھی صحنِ گلستاں نہیں ہوتے

کب رستے ہیں رکتے ہیں رہِ عشق کے راہی
محبوسِ ستم خائفِ زنداں نہیں ہوتے

بیٹھے ہیں دھرے ہاتھ پہ ہم ہاتھ، نہیں تو
وہ کون سے عقدے ہیں جو آساں نہیں ہوتے

پاتے ہیں فقط صاحبِ تدبیر مراتب
سالارِ زماں، طفلِ دبستاں نہیں ہوتے

ہر حال میں خوش رہتے ہیں وحدت کے پجاری
خنداں نہیں ہوتے ہیں، وہ گریاں نہیں ہوتے

اک چھوٹی سی گتھی بھی سلجھ پائی نہ جن سے
مضمونِ فراست کا وہ عنواں نہیں ہوتے

ڈر کیا جو خفا تجھ سے رفیق ہو گئی قسمت
جو مرد توانا ہیں ہراساں نہیں ہوتے

غزل

دل اپنا اب دل ہی نہیں ہے، دل ہے اک غم خانہ بھی
غم دوراں بھی حاصل اس کو، ساتھ غم جاناں بھی

آگ لگا رکھی ہے کیسی حسن نے عشق کی دنیا میں
شمع تو جلتی ہی تھی لیکن، جلتا ہے پروانہ بھی

ہوش کے رخصت ہوتے ہوتے عقل و خرد بھی روٹھ چلے
عشق کے سودے میں دل دے کر دینا پڑا بیعانہ بھی

ظالم تیری سنگدلی نے حال یہ اپنا کر ڈالا
اشک فشاں اپنا ہی نہیں ہے روتا ہے بیگانہ بھی

ساغر نوش کئے غیروں نے میری قسمت بھی دیکھو
ہاتھ سے منہ تک آتے آتے چھوٹ گیا پیمانہ بھی

عشق میں جان کی بستی پر یہ کیسی برق ہوئی نازل
دل تو سپرد آتش تھا ہی، راکھ ہوا کاشانہ بھی

تجھ سے محبت کیا کی ہم نے، مفت کے صدمے مول لئے
دردِ زباں لوگوں کے ہوگا! اک دل یہ افسانہ بھی

ملتی ہے تسکین نہیں جب غم کے ماروں کو واعظ!
کون سہارا دے گا ان کو اجڑا جب مے خانہ بھی

سب مطلب کے ساتھی دیکھے، وقت پڑا تو کوئی نہیں
آنکھ چرا کر بھاگ گئے سب، اپنا بھی بیگانہ بھی

حدِ نظر سے چھپنے والے! پاؤں تجھے تو پاؤں کہاں
کھوج چکے ہم جنگل جنگل، آبادی ویرانہ بھی

بھید تیری قدرت کا اب تک کس کی سمجھ میں آیا ہے
ہمت ہار کے بیٹھ گیا ہے، دانا بھی، دیوانہ بھی

کافر و مومن کے دل میلے، تنگ دلی سے ہیں ورنہ
اک مالک کے گھر ہیں دونوں کعبہ بھی بت خانہ بھی

کیسے جان چھوٹے گی تیری سستے داموں دوست مرے
دل جو دیا تو ساتھ اس کے کچھ پیش کرو نذرانہ بھی

راہِ وفا کے سالک اپنا مسلک چھوڑ نہیں سکتے
منہ تکتے رہ جاتے ہیں سب دام، درم اور دانہ بھی

اپنے رفیق! اب باتیں تیری کتنی پیاری لگتی ہیں
جھوم اٹھتا ہے سن کر ان کو اپنا بھی بیگانہ بھی

۲۶

عشق کی اب عجیب صورت ہے — آہ! وحشت سی کوئی وحشت ہے

دل میں برپا ہے سیلِ ظلم و غم — جان لیوا کسی کی فرقت ہے

شب وعدہ تھی وہ نہیں آئے — بھول جانا تو ان کی عادت ہے

دکھ پہ دکھ دیے رہتے ہیں رہ رہ کر — پھر یہ کہتے ہیں کیا شکایت ہے

بے پیئے مست ہو گئے مے کش — چشمِ ساقی میں کیا کرامت ہے

کیوں بتوں پر نہ جان و دل واعظ! | پیار کرنا تو اک عبادت ہے
اُس پری وش کی شان کیا کہنا | حسن یکتا ہے قد قیامت ہے
جان نثاروں پہ حشر ڈھاتے ہیں | اِن بتوں کی عجیب عادت ہے
غمِ جاناں ہے جب سے روح نواز | غمِ دوراں سے تو فراغت ہے
تحفے کیا کیا دیئے محبت نے | سوزِ غم ہے، جنوں ہے، وحشت ہے

کون پرسانِ دل ہو رفیق
اب وفا ہے کہیں نہ الفت ہے

(۲۷)

ترا در چھوڑ کر اے شمع پروانے کہاں جاتے؟
لگی دل کی بجھانے، دل کو بہلانے کہاں جاتے؟
اگر دیوارِ مے خانہ کا سایہ بھی نہ اپناتا
بھٹک کر منزلِ عرفان سے فرزانے کہاں جاتے؟
مقامِ عافیت دامانِ صحرا بھی جو نہ ہوتا
تلاشِ عافیت میں تیرے دیوانے کہاں جاتے؟
خدا کی دید اگر موقوف ہوتی دیر و کعبہ پر
تو پھر یہ جاں فزا دلکش صنم خانے کہاں جاتے؟
تری آنکھوں نے بخشے ہیں انہیں مستی کے پیمانے
ترے در سے پلٹ کر تیرے مستانے کہاں جاتے؟

واصل

جہاں کے ذرّے ذرّے میں ہیں تیری دید کے ساماں
الٰہی! تیرے عاشق ورنہ کیا جانے کہاں جاتے؟

تمہارے لطف نے عشاق پر سو سو جفائیں کیں
نہ ہوتے تم تو وہ دادِ وفا پانے کہاں جاتے!

خدایا تیری رحمت بھی اگر دامن بچا لیتی
زمانہ بھر کے ٹھکرائے یہ دیوانے کہاں جاتے؟

ہمیشہ حاضرِ خدمت رفیقِ زار ہے، ورنہ
کسی پر بندہ پرور! تم ستم ڈھانے کہاں جاتے؟

(۲۸)

تجھے مجھ سے ہو جائے گی اتنی نفرت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
یہ نفرت بڑھے گی بہ حد عداوت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
تجھے سر پہ، آنکھوں پہ جس نے بٹھایا، تجھے دل کے گوشے میں جس نے جگہ دی
اُسی کی بجھا دو گے شمعِ محبت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھا
کبھی میرے دشمن کی باتوں میں آ کر، خفا ہو کے تم مجھ سے منہ موڑ لو گے
نہ پوچھو گے مجھ سے کہ کیا ہے حقیقت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
مسرت کا میری گلا گھونٹ کر تم، مرے دل کی حسرت کو پامال کر کے
مٹا دو گے آنکھوں بھر عیش و عشرت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
کبھی چاندنی روشنی تم نے دی تھی، مرے غم زدہ دل کے ظلمت کدے کو

بنا دو گے سپر اس کو جانگاہ ظلمت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
مرے درد دل کی دوا بن کے آئے، مجھے زندگی اک نئی تم نے بخشی
مگر لوٹ لو گے مرا گنج راحت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
ترے واسطے دین و دنیا بھلا کر، لبالب تھی میں نے بھی خوشیوں کی دنیا
اُجاڑو گے تم ہی وہ گلزار فرحت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
بڑھا کر شب و روز اُلفت کی پینگیں، مجھے ایک دن تم نے اپنا کہا تھا
رہے گا نہ تم کو ذرا پاس عزت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
یہ مانا نہ کچھ کم تھیں تیری جفائیں، مگر وہ جفائیں تھیں تسکیں کی حامل
ملا دو گے مٹی میں میری عبادت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
یہ تیری عنایت کا صدقہ ہے ہر سُو، میں سنتا ہوں اپنی تباہی کے چرچے
مجھے اتنا بدنام کر دے گی اُلفت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی
ترے ہی کرم سے کسے یہ پتہ تھا، چمن میری اُلفت کا برباد ہوگا
قیامت سے پہلے ہی ہو گی قیامت، مجھے خواب میں بھی توقع نہیں تھی

۲۹

مرا ان دنوں حال ایسا ہوا ہے — کہ جو دیکھتا ہے وہی گھورتا ہے
کوئی کان میں غیر کے کہہ رہا ہے — "یہ اچھا بھلا تھا اسے کیا ہوا ہے"

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

نہ کھانے کی خواہش نہ پینے کی رغبت — نہ مرغوب شہرت نہ اندوہ ذلت

تصور میں آنکھوں پہ ہر تیری صورت   جہاں کی ہر اک شئے سے دل اُٹھ گیا ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

کبھی رنج و آلام کی پاسداری   کبھی قلبِ مجروح کی بے قراری
کبھی اشکباری یا اختر شماری   کبھی کروٹوں میں سویرا ہوا ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

کبھی آہیں بھرتے ہوئے رین کاٹی   بنا دی کبھی غم نے صورت گھٹا کی
کبھی درد تے اُٹھ قیامت بپا کی   کبھی سوزِ غم نے چراغاں کیا ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

کبھی باتوں ہی باتوں میں روٹھ جانا   کبھی وعدہ کر کے اُسے بھول جانا
کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانا   مرے واسطے جو ستم ہے روا ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

یہی تھا صلہ کیا وفا کیشیوں کا؟   جو برباد کی میرے خوابوں کی دنیا
مرا چین چھینا، مرا صبر لوٹا   جگر سوزِ غم میں ابھی جل رہا ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

نہ ملنا نہ جلنا نہ آپس کی باتیں   نہ شوخی شرارت نہ چوٹیں نہ گھاتیں
نہ عشرت کے دن اور پرکیف راتیں   جہنم سے دن رات کا واسطہ ہے

یہ تیری عنایت نہیں ہے تو کیا ہے؟

۳۰

عشق کا یہ ہی فقط انعام ہے — ایک میں ہوں اور دلِ ناکام ہے
اَب کہاں وہ اللہ اللہ ذاتِ دن — اب تو تیرا ہی زباں پر نام ہے
زندگی بخشی ہے جس نے وہ فقط — ساقیٔ رنگیں قام! تیرا جام ہے
راحتوں کے دیکھتا ہے خواب کیا — زندگی تو تلخیوں کا نام ہے
ہو اگر ممکن کسی کے کام آ — معصیت کوشی بھی کوئی کام ہے
جانے دل نے کون سا سودا کیا — ہر گلی کوچے میں وہ بدنام ہے
درد کی لذت سے کیوں ناگوں پناہ — درد تو آرام ہی آرام ہے
تیری جنت کس نے دیکھی ناصحا! — یہ بھی تو دنیا کی خاطر دام ہے

شعر تیرے پُر اثر ہیں اے رفیق
ہر غزل مرغوبِ خاص و عام ہے

۳۱

ابھی تک سوزِ غم کی شعلہ افشانی نہیں جاتی
طبیعت سے الم کی حشر سامانی نہیں جاتی

فراقِ یار یہ کیا کر دیا ہے تو نے شب بیتی
کہ ہم کو آج صورت اپنی پہچانی نہیں جاتی

(۳۵)

کرم اس سنگ دل کا اور تیری التفات اقدس پہ؟
دلِ ناداں ابھی تک تیری نادانی نہیں جاتی

کبھی برقِ ستم ٹوٹی، کبھی طوفانِ غم آیا
دلِ برباد پر اُن کی ستم رانی نہیں جاتی

جہانِ بے قراری میں یہ حالت ہو گئی دل کی
جنوں کا زور، وحشت کی فراوانی نہیں جاتی

نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑیں گے یہ سنگِ آستاں تیرا
کہ ہم سے خاک دَر دَر کی کبھی چھانی نہیں جاتی

دلِ مظلوم کی اک پل پریشانی نہیں جاتی
مصیبت پر مصیبت کی جہاں بانی نہیں جاتی

نظر میں آ گیا جب سے ترے دیدار کا جلوہ
کسی کے دیدۂ بینا کی حیرانی نہیں جاتی

کبھی صحرا، کبھی تربت، کبھی دشت و بیاباں ہے

گھڑی بھر کے لئے بھی خانہ ویرانی نہیں جاتی

یہاں داغِ جگر جلوہ فروز، اس جا شرارِ دل
دیا، قلبِ تپاں کی نیز شعلہ سامانی نہیں جاتی

بہار آکر گئی بھی، کھول رکھے پر خزاں نے بھی
رفیقؔ اب تک ہماری چاک دامانی نہیں جاتی؟

۳۲

چھا گئیں زلف کی طرح رخ حسن کی عشوہ سازیاں
یاد رہیں گی تا ابد کس کی ستم نوازیاں

ہوتے ہیں سخت جان تم پہ تیر انی ہے آرزو
میری یہ جاں فروشیاں، میری یہ جاں گدازیاں

اُن کے کرم کی بارشیں، ہم پہ ستم کی یورشیں
کس کی سمجھ میں آ سکیں آپ کی شعبدہ بازیاں

عشق پہ دل کو وعظ و پند حسن کشش میں جلوتیں

شیخ جی! جانتے ہیں ہم آپ کی پاکیزہ زباں

بڑھتی ہی جا رہی ہے روز دل کی خلش مری طبیب!
کام نہ کچھ بھی کر سکیں آپ کی چارہ سازیاں

آپ تو جانتے ہیں سب! آپ سے کچھ چھپا نہیں
کتنی گراں ہیں جان پر آپ کی بے نیازیاں

ہم سے نہ جانے کس لئے روٹھی ہوئی ہیں کیوں رفیق
آپ کی مہربانیاں آپ کی سرفرازیاں

(۴۲)

ستم اگر! مرے دل کے حال زبوں کی تجھے بھی اگر کچھ خبر ہو تو کیا ہو
مرے لب سے نکلے ہوئے نالۂ غم کا تجھ پر بھی کوئی اثر ہو تو کیا ہو

(۱۶۶)

ترے فیض کے آج ہر سو ہیں چرچے ہیں اذکار تیری کرم گستری کے
مری بے کسی پہ لطف و عطا کے خدا را اگر اک نظر ہو تو کیا ہو

بشر تجھ کو نخوت نے اندھا کیا ہے نہ سوجھتا تجھ کو سود و زیاں کچھ

گناہوں کے احساس میں ایک دن بھی تری کور بیں چشمِ تر ہو تو کیا ہو

مقدر میں عشرت کی کرنیں نہیں ہیں، ہر سو ہے مایوسیوں کا اندھیرا
تری ضو فشانی سے اے نور پیکر، شبِ غم کی اپنی سحر ہو تو کیا ہو

وہی دردِ فرقت، وہی چشمِ گریاں، وہی دل کی دھڑکن، وہی سینہ بریاں
زمانے میں بیمارِ اُلفت کا چارہ بجز مرگ اے چارہ گر ہو تو کیا ہو

ہیں خونخوار دشمن کی دزدیدہ نظریں، ترے ملک پر تیرے مال و متاع پر
تری آفریں بادہمت کے صدقے، اگر تو نہ سینہ سپر ہو تو کیا ہو

بتا تنگ نظری نے تجھ کو دیا کیا، کدورت سے سینہ ترا بھر دیا ہے
رفیق اس تعصب کی دنیا سے آگے کسی اور جا تیرا گھر ہو تو کیا ہو

(۲۴)

ڈوبے کسی کے بخت کا تارا تو کیا کرے
غم میں رہے نہ کوئی سہارا تو کیا کرے

ہوں جس کی تیری ذات پہ مرکوز نگاہیں
تم بھی کرو جو اس سے کنارا تو کیا کرے

کرتا پھرے ہزار گو تن من کوئی نثار
یہ بھی کسی کو ہو نہ گوارا تو کیا کرے

رکھتا ہو لاکھ دل میں کوئی عزمِ سکندری
لیکن ہو وہ نصیب کا مارا تو کیا کرے

نکبت میں ساتھ دیتی ہے ہمت یہ ٹھیک ہے ۔۔۔ چلتا ہو سر پہ ظلم کا آرا تو کیا کرے
دل سے نکال بیٹھے ہو تم جس غریب کو ۔۔۔ روئے نہ پھر نصیب کا مارا تو کیا کرے

کیا کیا ارادے کرتا ہے انسان اے رفیق
ہو جائے جب اجل کا اشارہ تو کیا کرے

(۳۵)

زندگی پیار سے سرشار کروں یا نہ کروں؟
شبِ تاریک ضیا بار کروں یا نہ کروں؟

ہاتھ میں دشنہ لئے وہ سرِ مقتل پہنچے
طالعِ خفتہ کو بیدار کروں یا نہ کروں؟

تم تو اپنے ہوئے پھر تم سے شکایت کیسی
شکوۂ چرخِ ستم گار کروں یا نہ کروں؟

داغ سینے کو دئے ہیں جو تری چاہت نے
ان کو شرمندۂ انوار کروں یا نہ کروں؟

برق کے طور تو بے ڈھب سے نظر آتے ہیں
اہلِ گلشن کو خبردار کروں یا نہ کروں؟

بات سنتا ہے کوئی اور نہ فریاد اپنی
کوئی درمانِ دلِ زار کروں یا نہ کروں؟

اُن کی تلوار نے اب میرا لہو مانگا ہے

دامنِ دشت کو گلزار کروں یا نہ کروں؟
محتسب پوچھنے کو خانۂ خود تک پہنچا
جرمِ اُلفت کا میں اقرار کروں یا نہ کروں؟
چاہیے دل کو ہی سے قدرِ حسیناں ہے یہاں
اس حقیقت کا میں اظہار کروں یا نہ کروں؟
تو بھی دم بھرتا ہے اللہ جمیع چہروں کا
تیرے انصاف سے انکار کروں یا نہ کروں؟
پاک بازوں کو سدا ہم نے بھٹکتے دیکھا
دلِ اقدس کو گنہ گار کروں یا نہ کروں؟
پھونک ڈالے نہ کہیں اُن کا نشیمن یہ رفیق
آہ کو آج شرربار کروں یا نہ کروں؟

(۳۶)

جن کو سمجھے ہو سہارے ہیں سہارے تو نہیں
یہ بظاہر جو تمہارے ہیں تمہارے تو نہیں
یہ نظر آتے ہیں جو بامِ فلک پر ہر شب
آہِ سوزاں کے شرارے ہیں ستارے تو نہیں
سطحِ آب پہ وہ اُبھرے ہوئے سے جھکے
یہ تلاطم کی موجیں ہیں کنارے تو نہیں

زرد کیوں رنگ ہوا جاتا ہے ان پھولوں کا
یہ ستم کیش یہ غم عشق کے مارے تو نہیں

چاند سورج بھی چھپا لیتے ہیں اپنی صورت
تیری مژگاں پہ لرزتے ہوئے تارے تو نہیں

وہ اجالے پہ گھٹائیں سی نظر آتی ہیں
خوب رو کوئی وہاں زلف سنوارے تو نہیں

دھن میں آگے ہی بڑھے جاتے ہیں منزل منزل
چاہنے والے تنے راہ میں ہارے تو نہیں

ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی جھلک ہے جو رفیق
تیرے دلدار کی آنکھوں کے اشارے تو نہیں

(۲۷)

آپ کے دل کا تقاضا ہو جو، پورا کیجئے
ہو سکے جتنا بھی مجھ پر ظلم برپا کیجئے

کر دیا رسوا مجھے گو آپ نے ہر سو بہت
اس سے بھی تسکیں نہ ہو تو اور رسوا کیجئے

غیر سے ہنس ہنس کے باتیں کیجئے گا رات دن
اور اگر میں سامنے آ جاؤں تو تیوری کیجئے

ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے حسن و جوانی اے گماں

ان پہ اتنا ناز؟ کچھ دل میں تو سوچا کیجیے
آپ اور مے خانہ میں؟ کیا دیکھتا ہوں شیخ جی
بیٹھ کر مسجد میں شغلِ جام و مینا کیجیے
مُنہ سے کچھ کہتے نہیں تو دو گھڑی تو بیٹھیے
کچھ نہ کچھ تو درد کا میرے مداوا کیجیے
درد تو وجہِ نشاطِ زندگی ہے جانِ من
کس لیے پھر درد سے واعظ! کنارا کیجیے
سوزِ غم، سیلابِ اشک، وارفتگی، ہجر و فراق
عشق کی برکات میں کیا کچھ صف آرا کیجیے
جو بلا آتی ہے سر پہ جھیلیے مردانہ وار
اپنی بدبختی کا بھولے سے نہ شکوا کیجیے
ہر زباں پر واہ واہ ہو ہر کوئی برسائے پھول
اپنے اندر وہ چلن، وہ حسن پیدا کیجیے
دہر کی نیرنگیوں میں کھو نہ جائیے گا رفیق
عاقبت جس سے سنور جائے وہ دیکھا کیجیے

(۴۸)

ہے عشق ہی قصۂ زیست مرا، حاصل ہے یہی ارمانوں کا
اور سچ پوچھو تو عشق ہی ہے عنوان مرے افسانوں کا

اُن کے جا بے جا فرماں پر، خم کیوں نہ سرِ تسلیم کروں
ایثار و وفا کے مکتب میں شاگرد ہوں میں پروانوں کا

توڑا نہ گلستاں سے ناطہ اپنی اُلفت کا بلبل نے
ہر سال مٹا دیتی ہے نشاں گو بادِ خزاں کاشانوں کا

آنکھیں پُرنم، دِل انگارے، آہیں برلب، سینے بریاں
اے ماہ جبیں! یہ حال ہوا اُلفت میں ترے دیوانوں کا

فریاد کا شنوا کوئی نہیں، انصاف کی کچھ امید نہیں
ہم سادوں سب کچھ سہہ لینا ہے کام یہی فرزانوں کا

یہ ساغرِ زر، یہ جام و سبو، بے کار کی چیزیں ہیں ساقی
جب تم نے پلا دی آنکھوں سے کیا کام رہا پیمانوں کا

موجوں کے تھپیڑوں سے ڈر کر منہ پھیر لیا معلوم بھی ہے
موجوں سے اُلجھنے والے ہی رُخ پھیرتے ہیں ارمانوں کا

تم کس دنیا میں رہتے ہو، کس دور کی باتیں کرتے ہو
سُونے ہیں خدا کے گھر واعظ! اقبال ہے اب میخانوں کا

دل مہر و مروت سے خالی، سینے نفرت سے بھرے ہوئے
چھینا جھپٹی، آپا دھاپی، اب کام رہا انسانوں کا

اک آٹھ دنوں کا بھوکا ہے، اک تن ڈھکنے سے عاری ہے
یہ حالِ زبوں ہے دُنیا کے چلتے پھرتے شمشانوں کا

سمجھا تھا رفیقِ جاں جن کو، تکیہ تھا مروت پر جن کی

وہ اپنے ہی دشمنِ جاں نکلے، کیا حال کہوں بیگانوں کا

۳۹

تیرے وعدے شب و روز ٹلتے رہے، شمعِ سانِ ہجر میں ہم پگھلتے رہے
دل کو اشکوں نے بہہ کر مداوا کیا، دل کے ارمان شب بھر مچلتے رہے
جو نہ سننے کے عادی تھے تم سے سنا، تھی توقع نہ جس کی وہ تم سے
تم نہ بدنام ہو جاؤ، لب سی کے ہم، آہیں بھرتے رہے ہاتھ ملتے رہے
بھول سے بھی، نہیں جھانک پائے، نازک ہو تم، پھر یہ پتھر بنا دل تم نے کیوں پال لیا
کبھی لطف و عنایت کی بارش نہ کی، کھیت امید کے اپنے جلتے رہے
تو نہ پلٹے اگر، یہ الگ بات ہے، تو کئے پر نہ پچھتائے، کچھ غم نہیں
جانتا ہے یہ عالم میرے خون پر دل و افتادہ کے تیر چلتے رہے
میں سمجھتا رہا تیرے آنچل تلے، بے قراری کو میری قرار آئے گا
ہائے قسمت کہ تیرے ہی لطف و کرم میری جانِ حزیں کو مسلتے رہے
اپنی نظروں سے تو نے گرایا جنہیں، لبِ ساحل پہنچ کر بھی بچ نہ
تیرے ہاتھوں نے جن کو سہارا دیا، ڈوبتے ڈوبتے بھی سنبھلتے رہے
ایک تم سے ہی اپنی شکایت نہیں، دہر میں ہر کسی کا یہی طور ہے
چل دیا جھٹ کر کے مزار پر، خون پیتے رہے اور پلتے رہے
وقت پڑ کام آیا نہ کوئی کبھی، رخ سے آنسو کسی نے بھی پونچھے نہ
دیکھتے ہی رہے سب تماشا یہاں، آرے آلام کے سر پہ چلتے رہے

کس سے لطف و کرم کی کریں التجا، کس کو سمجھیں رفیق اس زمانے میں ہم
وہی دشمن بنے آج اپنے یہاں، جھوٹے خوانوں پہ اپنے جو پلتے رہے

(۴۰)

میری نوا میں اے خدا، کوئی اثر نہیں تو کیوں؟
حالِ دلِ غریب کی تجھ کو خبر نہیں تو کیوں؟
آہ ستم رسیدہ نے ارض و سما الٹ دیئے
آہ سے میری دہر میں زیر و زبر نہیں تو کیوں؟
اشکوں سے اپنے بن گئے دجلہ فرات بے حساب
خشک ہوا ہے آج تک دیدۂ تر نہیں تو کیوں؟
اہلِ وفا پہ چار سُو دستِ ستم دراز ہے
ظالم فتنہ گر اگر خاک بہ سر نہیں تو کیوں؟
ذرۂ خاک بن گیا انجم چرخِ چنبری
شامِ نصیب کی مرے کوئی سحر نہیں تو کیوں؟
لوٹ پہ انحصار ہے، رہزنی جن کا کام ہے
دورِ حیات مختصر ان کا اگر نہیں تو کیوں؟
گلشنِ عشقِ یار کو سینچ رہا ہوں خون سے
اس کے رفیقؔ برگ و بار تازہ و تر نہیں تو کیوں؟

اُف یہ اِتنا ناز؟ کچھ دِل میں تو سوچا کیجیے
آپ اور مے خانہ میں؟ کیا دیکھتا ہوں شیخ جی
بیٹھ کر مسجد میں شغلِ جام و مینا کیجیے
مُنہ سے کچھ کہتے نہیں تو دو گھڑی تو بیٹھیے
کچھ نہ کچھ تو درد کا میرے مداوا کیجیے
درد تو وجہِ نشاطِ زندگی ہے جانِ من
کس لیے پھر درد سے واعظ! کنارا کیجیے
سوزِ غم، سیلابِ اشک، وارفتگی، ہجر و فراق
عشق کی برکات میں کیا کچھ صف آرا کیجیے
جو بلا آتی ہے سر پر جھیلیے مردانہ وار
اپنی بدبختی کا بھولے سے نہ شکوا کیجیے
ہر زباں پر واہ واہ ہو ہر کوئی برسائے پھول
اپنے اندر وہ چلن، وہ حُسن پیدا کیجیے
دہر کی نیرنگیوں میں کھو نہ جائیے گا رفیق
عاقبت جس سے سنور جائے وہ دیکھا کیجیے

(۴۸)

ہے عشق ہی قصۂ زیست مرا، حاصل ہے یہی ارمانوں کا
اور سچ پوچھو تو عشق ہی ہے عنوان مرے افسانوں کا

(۱)

بھگوان کرشن سے خطاب

بھگوان! تیری جیئے صدیوں سے ہم ہندی مناتے آئے ہیں
شردھا سے، پریم سے، بھگتی سے ہم تجھے بُلاتے آئے ہیں
تیرے سواگت میں خوشیوں کے ہم دیپ جلاتے آئے ہیں
اس تیری مقدس گیتا کو ہم گلے لگاتے آئے ہیں
برسوں سے تری مریادا کا ہم یگ یگ پالن کرتے ہیں
پھر بھی کہنے کی بات نہیں، ہم جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

(۲)

دنیائے سیاست میں اپنا اعزاز نہیں سمّان نہیں
ارباب بصیرت کے آگے اپنی کوئی پہچان نہیں
سکھ سمپت کا الزمان نہیں، بلّت کا کہیں کلیان نہیں
جو پہلے ہمیں میسّر تھی، وہ شان نہیں وہ بان نہیں
جب بھی دیکھو سر پر اپنے غم کے بادل منڈلاتے ہیں
شطرنج کی بازی میں ہندو اوروں سے ماتیں کھاتے ہیں

(۳)

ہم تیرے نام کی مالا کو اے مدھوسودن گو لا کھ جپیں
تیری مہما اور لیلا کا ہم کتنا بھی گن گان کریں

تیرے آدرشوں پر چاہے ہم ہندی اپنا سیس دھریں
چاہے تیرے فرمانوں پر جی جان اپنا بلیدان کریں
ہم آٹھوں پہر بدبختی کے ہاتھوں سے ستائے رہتے ہیں
رسوائی کے، بدنامی کے سب اُدھ سروں پر سہتے ہیں

(۴)

دنیا کے ہتیشی بن کر بھی ہم بھٹک رہے ہیں یار یہاں
غیروں کی نظروں میں آٹھوں پہر ہم کھٹک رہے ہیں خار یہاں
مونس، ہمدم، سنگی، ساتھی، کوئی بھی نہیں غم خوار یہاں
سچ بات ہماری سُننے کو کوئی بھی نہیں تیار یہاں
انگلینڈ ہو چاہے امریکہ، آنکھیں ہی ہمیں دکھاتا ہے
پاکستان چین کے بل بوتے جب دیکھو ہمیں ڈراتا ہے

(۵)

بھگوان ترے اُنوشاشن میں اب سچ کی رہی ہے جیت کہاں
بے لاگ رہیں جو دُنیا میں، ان کا دنیا میں میت کہاں؟
بد سے بھی نیکی کرنے کی اے پجاری اب ریت کہاں؟
توپوں کی دھنا دھن میں لب پر خوشیوں سے بھرے اب گیت کہاں؟
دل دھڑک رہے اور پڑے ہوئے ہر مرد کو جان کے لالے ہیں
اس طرح گزرتی ہے گویا سینوں میں اجگر پالے ہیں۔

(۶)

گھی دودھ کے دریا بہتے تھے اب رہ گئے اُن کے نام فقط
پُڑیوں میں مکھن بکتا ہے، سیروں کی جگہ ہیں گرام فقط
جو چیز ہے روپے کلو ہے، جو شئے ہے وہ بدنام فقط
آرام و سکوں کو لگ گئے پر، آلام سے رہ گیا کام فقط
کھانے کو ہوا کے جھونکے ہیں، پینے کو میسّر پانی ہے
غلہ عنقا، جیبیں خالی، فاقوں کی فقط مہمانی ہے

(۷)

تو نے تو کہا تھا گیتا میں جب دھرم پہ سنکٹ آئے گا
جب پاپ گھنے بادل کی طرح چاروں سمت چھا جائے گا
جب جبر و تشدّد سے ظالم کمزوروں کو تڑپائے گا
جب بد فطرت کے ہاتھوں سے دم نیکوں کا گھٹ جائے گا
میں دھرم سستھاپن کرنے کو پاپی کو مٹانے آؤں گا
دکھیوں، بے بس، نبلے کس کے نئے پیغام مسرت لاؤں گا

(۸)

اب تو ہی بتا اس سے بڑھ کر کیا سنکٹ اشتھ پہ آئیں گے
نکبت کے مارے دنیا میں دکھ اس سے ادھر کیا پائیں گے
کب بھوک سے جانیں چھوٹیں گی، ہم دہر میں عزت پائیں گے
مظلوموں کے، معصوموں کے کب اچھے دن آ پائیں گے

کب دہر کے گوشے گوشے میں اپنا پرچم لہرائے گا
بچہ بوڑھا اس بھارت کا آنند کے نغمے گائے گا

(۹)

کہہ دیتے ہیں اب کے بھی اگر تو نے نہ عنایت کی ہم پر
خوش بختی، یمن و سعادت سے بدلے نہ کہیں اپنے اختر
تیری بدعہدی کے چرچے ہوں گے گھر گھر ہر شام و سحر
تو تن تنہا رہ جائے گا، ہوگا نہ اُپاسک ایک بشر
پھر اپنا داغ مٹانے کو، دنیا اک نئی لے آنا تو
لیکن بھگتوں کا رکھوالا بھگوان نہ پھر کہلانا تو

(۴۲)

بھگوان رام

لخت دل دسرتھ کے، کوشلیا کے نور عین رام!
جپ رہا ہے نام تیرا آج تک ہر خاص و عام
تو نے بھارت کا کیا، حسن عمل سے سربلند
دہر پیدا کر سکا تجھ سا نہ کوئی ارجمند،
تیرے بچا اقدام ادائے کا اثر ہے بالیقین
خانۂ دل میں ہر اک بندے کے تو ہے جاگزیں
کس قدر تھا عجز، کتنی انکساری تجھ میں تھی
اپنے بھگتوں کے لئے کیا بےقراری تجھ میں تھی

قابلِ تقلید سب کو تیرا ہر اک کام تھا
تیری ہر اک بات میں پوشیدہ اک پیغام تھا
تُو نے دُنیا کو سکھایا دین داری کا سبق
تُو نے عالم کو پڑھایا غم گُساری کا سبق
تیرا مسلک بے گماں امن و امانِ دہر تھا
ظالموں کے واسطے لیکن مجسّم قہر تھا
کون ہے تیری طرح جو لات مارے راج کو
چھوڑ دے چشم زدن میں اپنے تخت اور تاج کو
یہ سکھایا تو نے سمجھایا یہ دُنیا کے تئیں
بھگت ایشور کا جہاں میں نیچ ہو سکتا نہیں
بھائیوں سے، جانکی سے کتنا تیرا پیار تھا
قابلِ تعریف تیرا جذبۂ ایثار تھا
گو تنِ بہتر تیری تعزیر کے قابل نہ تھی
دہر میں بنیاد رکھی تو نے پرجا راج کی
تو ہی تھا جس نے ہمیشہ نالۂ مظلوم سُن
ظالموں کی کشتِ عالم سے اُکھاڑی بیخ و بُن
تاڑکا، ماریچ سے اہلِ جہاں کو دی نجات
اور راون سے ستم گر کی مٹا دی کائنات
آج بھی راون سے لاکھوں دندناتے ہیں یہاں

اپنے بد اعمال کا ڈنکہ بجاتے ہیں یہاں
بھائی بھائی میں ہے چپقلش، باپ سے بیٹا خفا
ڈھونڈتی پھرتی ہے بیوی چپقلش پر گھر نیا
آج عفت ہے نہ عزت کا ذرا پاس ہے
بنت نئے فیشن کی سر میں بس گئی بو باس ہے
جھوٹ کی فرماں روی ہے اور ریا کا راج ہے
ہاتھ سے نفسانیت کے دلیس اب تاراج ہے
تو ہی آجائے کہیں تو بدعتیں سب دور ہوں
سانس سکھ کا لیں، دلوں کی کلفتیں کافور ہوں
آ بھی جا اک بار پھر اے والئی عالی مقام
منتظر ہے آج تیرا دہر میں ہر خاص و عام

(۴۳)

حضرت محمدؐ

بانیٔ دینِ اسلام! تیری ثنا کس میں طاقت ہے تحریر میں لا سکے
میری ننھی زباں، اس میں قدرت کہاں گیت لطف و کرم کے ترے گا سکے
تو غریبوں کا ملجا و ماویٰ رہا، تو یتیموں کے دل کا سہارا بنا
تھی بھنور میں جو کشتی پڑی قوم کی، اس کا ساحل بنا تو کنارا بنا
تو نے بے کس کی، مظلوم و مقہور کی، ترجمانی بھی کی، دور بیداد کی

ہاتھ پکڑا ستم دیدہ مجبور کا، ساتھ اس کا دیا جس نے فریاد کی
بھول بیٹھے خدا کو تھے اہل عرب، پوجتے تھے شب و روز اصنام کو
اپنا اپنا تھا معبود ہر ایک کا، جس پہ تکرار تھی صبح کو شام کو
باہمی چقلپش میں گزرتے تھے دن، سر پھٹولوں میں اڑتا تھا جن طرح
فتنہ و شر سے آٹھوں پہر کام تھا، نیز دشنام ہر اک کے کھلتے تھے لب
تھی محبت انہیں بادۂ ناب سے، جام اس کے چڑھاتے تھے وہ بے دریغ
زر، زمین، زن کے جھگڑوں پر چھوٹے بڑے ہو کے سینہ سپر کھینچ لیتے تھے تیغ
ان کے سینوں میں اک دوسرے کیلئے پیار کی جا تھا نار حسد شعلہ زن
بغض و کینہ تعصب تو گھٹی میں تھا، راہ کج پر تھے صبح و مسا گام زن
آنکھ تھی اس میں مہر و مروت نہ تھی، قلب کو انکساری سے یارا نہ تھا
سر میں فرعونیت تھی سمائی ہوئی، بات کرنا کسی سے گوارا نہ تھا
پیدا ہوتے ہی دختر کے ماں باپ خود گھونٹ دیتے تھے ہاتھوں سے اس کا گلا
شفقت مادری تھی نہ احساس پدر، بہر بکری کسے انساں برتر نہ تھا
ایسے بندوں کا تو نے سنوارا چلن، ان کی بڑھتی ہوئی بدعتیں دور کیں
ان کو تہذیب سے آشنا کر دیا، عادتیں جو بری تھیں وہ کافور کیں
بغض و نفرت سے بچنے کی تعلیم دی، بھائی چارے اخوت کی تلقین کی
درد ملت کا سینوں میں ایسا کہ بس موج بڑھتی گئی دن بدن دین کی
الغرض کوئی گنتی کہاں تک کرے، قوم پر ان گنت تیرے احسان ہیں
گلشن قوم میں تیری برکات سے تازگی کے یہ سب ساز و سامان ہیں

اہلِ مسلم کو دی تو نے مردانگی، جوشِ مذہب دیا، دی قناعت انھیں
عزمِ راسخ دیا، دیا محکم یقیں، لیے اللہ کی دی عبادت انھیں

تیرے حسنِ تدبر سے اہلِ عرب، چھوڑ جھگڑوں کو فخرِ وطن بن گئے
خون سے سینچ کر گلشنِ قوم کو، آپ اس کی بہارِ چمن بن گئے

رزمگاہوں میں نکلا جو خنجر بکف، لئے نصرت نے بڑھ بڑھ کے تیرے قدم
صاف کر کے عدو کے پرے کے پرے، تو نے گاڑا جا بجا اپنا علم

تیری وحشت سے لرزاں ستم راں تھے، تیری سطوت کے آگے ستم سرنگوں
تیری رحمت کا والہ و شیدا جہاں، تیری بخشش کا عالم پہ چھایا فسوں

آج دنیا کی حالت ہے بدلی ہوئی، قومیں غیض و غضب میں ہیں خنجر بکف
دو بلاکوں میں سارا جہاں بٹ گیا، ہوا دنیا سے امن و اماں برطرف

پھر سے وحشت کا ہر سو ہے غلبہ ہوا، بربریت کے سامان ہوتے بہم
ہے رقابت دلوں میں اقامت گزیں، ہو رہا ہے پھر سے نفرت کا اونچا علم

پاؤں پھیلائے حرص و ہوس نے ہیں وہ، غمگساری گئی، بھائی چارا گیا
پڑ رہے جان کے لالے ہیں ہر ایک کو، امن تھا زندگی کا سہارا گیا

آج کذب و دغا کی ہے فرماں روی، چار سو بس دنیا میں سردار ہے
حق و انصاف کی جھک گئے آج کل، اس کا مونس کوئی ہے نہ غمخوار ہے

آسماں پر وطن کے ہے کالی گھٹا، بجلیاں کوندتی آشیانوں پہ ہیں
ہوئے اب رقیبوں میں گٹھ جوڑ ہیں، جنگ کے تذکرے اب زبانوں پہ ہیں

نہ دیانت رہی، نہ رفاقت رہی، نہ تلطف رہا، نہ کرم گستری

جسے دیکھو بنا آج بہروپیا، راج کرتی ہے ہر سو فرد مایگی
صنف نازک کی تقدیس سچ مانیئے خواب موہوم بن کر فقط رہ گئی
اُن کی عفت مآبی و طرز وفا، نذر دریائے فیشن ہوئی، بہہ گئی
بات دو چار کی اب نہیں رہ گئی، جسے دیکھو وہی آج مے خوار ہے
مے پرستوں کا رندوں کا کہنا ہی کیا، آج زاہد بھی مے کا طلبگار ہے
تو جو آئے تمہالات سدھریں کہیں، تو جو سمجھائے دل میں اُتر کر رہے
شاہ یثرب رفیق کرم پرتری بے شبہ بات سینے میں گھر کر رہے

(۴۴)

گوتم بدھ

راس آئی تھی ہوا جس کو نہ تخت و تاج کی
چاہ جس کے دل میں تھی خشخاس بھر راج کی
دل تڑپ اُٹھا تھا جس کا دیکھ کر اک پیر کو
بے بسی، ذلت کی جیتی جاگتی تصویر کو
گال پچکے، دانت ٹوٹے، آنکھیں مرجھائی ہوئی
مکھیوں کی بھنبھناہٹ منہ کی شیدائی ہوئی
اُس کو بتلایا گیا تھا یہ بھی اک انسان ہے
چند دن کا دہر میں جو رہ گیا مہمان ہے
کانپ اُٹھا تھا جو آدم زاد کے انجام پہ

آگیا حیرت میں تھا قدرت کے اِس اِنعام پر
جان سے پیاری تنِ بہتر کو کہہ کر الوداع
پھول جیسے لختِ دل سے ایک دِن ہو کر جُدا
جنگلوں میں ڈھونڈھنے پہنچا تھا اطمینان کو
پیڑ سے اُلٹا لٹک تڑپا دیا تھا جان کو
جس کو فاقوں سے نہ حاصل ہو سکی تسکینِ دل
برہمنوں سے بھی میسّر آ سکی نہ تمکینِ دل
خلق کی خدمت میں پائی جس نے مَن کی روشنی
قلب کی وُسعت میں پائی جس نے مُضمر بندگی
جس کا مسلک تھا اہنسا، پریم اور یکسانیت
دہر میں جس کا مشن تھا سادگی اِنسانیت
باعثِ فخرِ وطن تھا اُس کا گوتم نام تھا
معرفت کی مے سے پُر لاریب اُس کا جام تھا

(۲۵)

گورو نانک

پانصد سالہ برسی پر لکھی گئی نظم

یہ کس کی عظمت کے گیت میٹھے یہاں، وہاں، گائے جا رہے ہیں
یہ کس کی سطوت میں پیر و برنا سرِ عقیدت جھکا رہے ہیں

ہیں کس کی آمد میں چشم بر راہ جیسے یہ شیخ و برہمن
یہ کس کے فیض و کرم کے صدقے ہوئی ہے عشرت لوں سایہ افگن
ہے شرق سے غرب گہما گہمی کا اک اُمڈتا ہوا سا ساگر
فضائیں ہر سو نشاط آگیں، ہوائیں گویا چھڑکتی عنبر
ہیں بام و در اپنے آج جگمگ، ہیں رو کش خلد صحن و آنگن
حقیر ذرّے ہیں ماہ و اختر، ارم نما آج اپنے مسکن
ہر ایک سمت میں نوید بہجت، ہر ایک گوشے میں خیر و برکت
زمین عرش بریں کی حامل، زمان تمثال گلشن راحت
اِدھر اُدھر قہقہوں کی یورش، یہاں وہاں شور محفلوں کا
ہے قابل دید جوشش بہجت، مچلتے سینوں میں ولولوں کا
کہاں کسی نے ہے پہلے دیکھی یہ تابناکی، یہ اتنی رونق
سعادتوں کے گلوں سے پر ہے سعید یوم ظہور نانک!
وہ اپنے نانک جو ظلمتوں میں ہماری آئے تھے چاند بن کر
وہ بابا نانک طفیل جن کے ہوئے تھے کون و مکاں منوّر
ہاں جن کے فیض و کرم نے چڑیوں سے کھیت سارے چگا دئے تھے
غریب و نادار، سادھوؤں میں کھرے روپے لٹا دئے تھے
وہی وہ نانک رموزِ حق سے کئے تھے جس نے آشنا بندے
طمع کے، نفسانیت کے اہل وطن سے جس نے چھڑا لئے دھندے
بتایا جس نے کہ ایک ہی نورِ حق کے ہیں یہ تمام جلوے

کھڑے کئے جا رہے ہیں پھر کیوں یہ بھید پستی کے، برتری کے
خدا ہی کے گھر ہیں دیر و کعبہ، تو کیسی ٹکرار، جھگڑا کیسا؟
ہے جاۓ مقصود ایک سب کی، الگ الگ راستے ہیں تو کیا؟
ہے خدمت خلق ہی عبادت، ہے نام اللہ عظیم دولت
اگر خوشی کی طلب ہے تم کو، تو ہر کسی سے کرو محبت
یہی تھا پیغام ست گورو کا جسے کبھی کا بھلا دیا ہم نے
ستم ہے آپس کی سر پھٹول میں اپنا سب کچھ گنوایا ہم نے
کبھی تعصب کی تیغ ہاتھوں میں لے کے ٹکڑے کئے وطن کے
تفرقہ بازی کی آندھیوں سے دیئے بجھاتے رہے یمن کے
ہوئے ہیں زر کی ہوس میں اندھے رہا نہ سینوں میں پیار باقی
نہ بوئے اخلاص ہے گلوں میں، ہیں کچھ تو نفرت کے خار باقی
اے بابا نانک! بجز تمہارے ہی تجھے نہ ڈھونڈیں تو ڈھونڈیں کس کو
ہوں بحر و دریا میں جو وہ دامن ترا نہ پکڑیں تو پکڑیں کس کو
ترے ہی لطف و کرم پہ نانک، نگاہیں دنیا لگا رہی ہے
بندھی تجھی سے ہے آس ان کی، تباہی ور کھٹکھٹا رہی ہے
زمانے بھر کو پیام امن و امان سنانے رفیق آجا
رکے گئے تھے جو راہ الفت انہیں ڈگر پر ہمیں چلا جا

شہیدِ اعظم حضرت امام حسینؑ سے خطاب

اے حسینؑ! ابن علیؑ، سر شہیدانِ جہاں   اے علمبردارِ حریت! انیس بے کساں
اے جری ہمت، کہ نذرِ سپاہِ قدسیاں   اے کرم فرمائے ملت چارۂ بیچارگاں
رہتی دنیا تک رہے گی یاد قربانی تری
تیغ کے سایہ میں حق کی زمزمہ خوانی تری

شک نہیں تو نازشِ بزمِ طریقت تھا حسینؑ   صاحبِ لطف و کرامت، فخرِ ملت تھا حسینؑ
محفلِ ظلمات کو شمعِ ہدایت تھا حسینؑ   تو شناسائے رموزِ آدمیت تھا حسینؑ
رہ نمائے قوم تھا، محبوب خرد و پیر تھا
کاشفِ اسرار تیرا ناخنِ تدبیر تھا

تیرے نانا نے جلائی تھی جو شمع پیار کی   حق پرستی، حق نمائی، جذبۂ ایثار کی
عدل کی، انصاف کی اور رفعتِ کردار کی   خدمتِ اسلام کے سودائے استمرار کی
بادِ صرصر میں بھی تو نے اس کو بجھنے نہ دیا
جو مشن نانا کا تھا ہمت سے وہ پورا کیا

خصلتِ بد کی وجہ سے جب وہ ابنِ معاویہ   تجھ سے اپنی بیعت لینے پر ترا دشمن ہوا
گردنِ تسلیم کو تو نے نہ خم ہونے دیا   کہہ دیا اُس ظالم و بددین کو تو نے برملا
ڈر نہیں گر راہِ حق میں سر مرا کٹ جائے گا
فاسق و فاجر کے آگے یہ نہ جھکنے پائے گا

پیاس سے جس دم تڑپ اٹھا میانِ رزمگاہ   چھ مہینے کا تنِ نازک وہ لختِ دل ترا
دونوں ہاتھوں میں اسے لے کر تو یوں گویا ہوا   دیجئے اِس کو خدارا گھونٹ پانی کا پلا

کل سے یہ ننھا مرا اے شیر ہے بے آب ہے
گریۂ پیہم سُنے اس کا یہ کس میں تاب ہے

التجائے درد کا تیری ہوا اتنا اثر!   ناوکِ بدکیش نے ننھے کا آ چھیدا جگر
خون کا فوارہ چھوٹا ڈھل گیا منکا اُدھر   دیکھتے ہی دیکھتے وہ چل بسا دم توڑ کر

تیری آنکھوں میں ستمگر نے اندھیرا کر دیا
تیرا دامانِ وفا شعلوں سے اُس نے بھر دیا

پرچمِ فتح و ظفر لہرا کے جھوما وہ لعین   رنگ دی اُمت کے خوں سے کربلا کی سرزمین
وہ سمجھ بیٹھا کہ حاصل ہو گئے دنیا و دیں   بات لیکن یہ ستے کی دل میں وہ سوچا نہیں

پیشِ حق اِس فتنۂ باطل کی کیا اوقات ہے
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

قوم کو تو نے شہیدِ بے بدل اصغر دیا   راحتِ جاں، لختِ دل تو نے نذرِ اکبر دیا
کر دیئے قرباں سب خویش و اقارب گھر دیا   دے دیا جو کچھ بھی تیرے پاس تھا اور سر دیا

گلشنِ ملت کی خوں سے آبیاری تو نے کی
اُمتِ احمدؐ کی غم میں غمگساری تو نے کی

نام لیوا اب یزیدِ فتنہ گر کا کون ہے؟   معتقد عالم میں اُس شوریدہ سر کا کون ہے؟
ہم سفر اُس طائرِ بے بال و پر کا کون ہے؟   آج سنگی اُس ساقیٔ بے ہنر کا کون ہے؟

دہر میں عظمت کا تیری اب بھی سکہ ہے رواں

آج بھی جھلکتی ہیں تیرے نام پر پیشانیاں

(۴۷)

گورو گوبند سنگھ جی سے خطاب

اے گورو گوبند سنگھ! اے تاجدارِ ملک و قوم — اے گورو گوبند سنگھ! اے غمگسارِ ملک و قوم
اے گورو گوبند سنگھ! اے نامدارِ ملک و قوم — اے گورو گوبند سنگھ! صد افتخارِ ملک و قوم

تو شبستانِ وطن میں تھا چراغِ شعلہ رُو
تو گلستانِ وطن میں تھا نہالِ آرزو

جب ہمارا دھرم ظلم و جور سے برباد تھا — درپئے آزار جب چرخِ ستم ایجاد تھا
گردنِ تسلیم پر جب پنجۂ بیداد تھا — ہندی معتوب وقفِ نالہ و فریاد تھا

بے بسی میں کٹ رہے تھے جب ہمارے ماہ و سال
بے کسی میں جب نہ تھا اپنا کوئی پرسانِ حال

فرقہ داری نے وطن میں جب جمائے تھے قدم — تنگ نظری کا یہاں لہرا رہا تھا جب علم
جب تعصب نے کئے تفریق کے ساماں بہم — مطلعِ ملت پہ چھایا جس گھڑی تھا ابرِ غم

جب ہمارے دیس میں جور و جفا کا تھا وفور
رحمتِ یزداں سے دنیا میں ہوا تیرا ظہور

تجھ کو راس آئی نہ استبداد کی فرمانروی — ظلم کی اک آنکھ بھی بھائی نہ تجھ کو قیصری
ذلتِ قومی نے تیرے دل پہ ایسی چوٹ کی — چھوڑ کر کنجِ ریاضت تیغ تو نے ہاتھ لی

ظلم کی ہستی مٹانے کو تو نعرہ زن ہوا

بیکس و مظلوم کو تن من ترا ارپن ہوا

ہندیوں میں تو نے اک جوشِ حمیت بھر دیا　　روح وہ پھونکی کہ پھر سے ان کو زندہ کر دیا
قوم کی خاطر گورو گوبند تو نے گھر دیا　　گھر دیا، جان پدر دی، لختِ دل اور سر دیا

جاں بلب ہندی کا تجھ بن کون چارہ ساز تھا
تو ہی اس کی بے بسی کے لئے گورو کا اوتار تھا

جوہرِ عالی تجھے وہ دستِ قدرت نے دیئے　　ہر قدم پر کامیابی نے قدم تیرے لئے
سوزشِ الفت سے تو نے چاک سینوں کے سیئے　　اور ملت پر در لطف و عنایت وا کیے

تو نے ہی اس کے تنِ مردہ کو بخشی زندگی
تجھ سے ہی مظلوم کو حاصل ہوئی خورسندگی

جب کبھی نکلا تو اپنا رخش دوڑاتا ہوا　　جب کبھی نکلا تو اپنی تیغ چمکاتا ہوا
جب کبھی نکلا تو رخ سے نور برساتا ہوا　　جب کبھی نکلا تو مہر و مہ کو شرماتا ہوا

تھم گئے اہلِ نظر سکتے میں عالم آ گیا
ہر کہ و مہ پر تری وحشت کا سکہ چھا گیا

موت بن کر لشکرِ اعدا پہ چھا جاتا تھا تو　　ہر قدم پر آگے ہی آگے بڑھا جاتا تھا تو
صورتِ تلوار صف کو چیرتا جاتا تھا تو　　روندتا، زیر و زبر کرتا، اڑا جاتا تھا تو

محوِ حیرت عالمِ امکان تری ہمت پہ تھا
دانت میں انگلی رکھے انساں تری جرأت پہ تھا

جب گورو نے پے بہ پے لشکر میں آ گھسنے لگے　　سر جوانانِ وطن کے جنگ میں کٹنے لگے
فوجیوں کے دل ستم کی آگ میں گھٹنے لگے　　اور وہ پیچھے ہی پیچھے دم بہ دم ہٹنے لگے

ننھے ننھے شاہ زادوں کو بلا کر اپنے پاس
دستِ خود سے تو نے پہنایا انہیں جنگی لباس

پسرِ اکبر رزمگہ میں جب کہیں پیاسا ہوا ! آبِ شیریں کا وہ تیرے پاس آ جویا ہوا
خوں اُمڈ آیا تری آنکھوں میں اُس دم برملا تند ہو کر اس کو لوٹاتے ہوئے تو نے کہا
چھتریوں کو جنگ میں پانی کا قطرہ ہے حرام
اُن کی تو خونِ عدو سے پیاس بجھتی ہے مدام

تو فدا کارِ رہ صدق و صفا تھا اے گورو تو نثارِ ملت دین ہدیٰ تھا اے گورو
تو خبردارِ طریقِ انبیا تھا اے گورو تو علم بردارِ توحید خدا تھا اے گورو
تو نے دنیا کو سکھایا دین داری کا سبق
تو نے عالم کو پڑھایا غمگساری کا سبق

تو نے فرمایا کہ اپنی آتما مرتی نہیں روح صادق جبر و استبداد سے ڈرتی نہیں
قوم زندہ خم سرِ تسلیم خود کرتی نہیں پائے دشمن پر وہ بھولے سے جبیں دھرتی نہیں
گولیاں کھاتی ہوئی آگے بڑھی جاتی ہے وہ
گلشنِ قومی کو خوں سے سینچتی جاتی ہے وہ

آ ذرا بھارت میں پھر سے ہندیوں کا حال دیکھ عسرت و نکبت میں کتنا ان کا ماہ و سال دیکھ
بغض کے ہاتھوں انہیں اک دوسرے پامال دیکھ بزدلی نا اہلی بے ہمتی بے چال گی دنبال دیکھ
تیرا پیغامِ عمل ان سے سنا جاتا نہیں
قوم پر اپنی فدا ہونا انہیں آتا نہیں

آ۔ انہیں سمجھا کر پھر دنیا میں فرزانے بنیں قوم کی بھٹی میں بھسم جائیں جو دمانے بنیں

دلِ شیدا کی شمع پہ جل مرنے کو پروانے ہیں زندگی کی مے سے پُر ہوں جو وہ پیمانے ہیں
اتحاد باہمی سے پھر اٹھائیں ہند کو
پھر جہاں کی اولیں صف میں بٹھائیں ہند کو

آزادیٔ ہندوستان کے جانباز سپاہی

(۴۸)

مہاتما گاندھی

دُنیا میں حق و صداقت کا پرچم لہرایا گاندھی نے
پھر حسنِ عمل کے رستے پر دُنیا کو چلایا گاندھی نے
انگریزی راج کی چکّی میں دن رات پسے جاتے تھے ہم
بیدادگروں کے چنگل سے تھا کس نے چھڑایا گاندھی نے
بے بس سا بنا رکھا تھا ہمیں اغیار کے طوقِ غلامی نے
آزادی دلا کر پھر سے ہمیں انسان بنایا گاندھی نے
جب ڈائر کی خونی توپیں ہر لمحہ آگ اُگلتی تھیں
قربان وطن پر ہونے کا پیغام سنایا گاندھی نے
کبھی رینگ کے چلنا پڑتا تھا، کبھی دار و رسن سے رشتے تھے
گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے جانے سے بچایا گاندھی نے

جو عزم کے ساتھ زندہ ہیں وہ موت سے کب ڈر سکتے ہیں
یہ رستہ زندہ رہنے کا دُنیا کو بتایا گاندھی نے
ہم خوشہ چیں تھے غیروں کے سچ کہنے کی بھی تاب کہاں
ہم ٹھونک کے سچ کہہ دینے کا انداز سکھایا گاندھی نے
مغرور تھے ہم اور اپنے سے چھوٹوں سے نفرت کرتے تھے
یک جہتی سے ان دونوں کا سب بھید مٹایا گاندھی نے
وہ سب سے محبت کرتے تھے ہر دل میں گھر تھے کیے ہوئے
جو شمع بجھی تھی صدیوں سے پھر اس کو جلایا گاندھی نے
تھا قوم و وطن کا درد چھپا اُس کی رگ رگ میں نس نس میں
بہبودِ وطن میں اپنا سب گھر بار لٹایا گاندھی نے
بھارت ہی نہیں دُنیا بھر کے سر خم ہیں اُس کے قدموں پر
ہمدردی، پریم، اخوت کو پروان چڑھایا گاندھی نے
اُس کے احسانوں کے آگے کب سر اُونچا اٹھ سکتا ہے
مدہوش تھے نیند کے متوالوں کو جھنجھوڑ جگایا گاندھی نے
نام اُس کا رہتی دُنیا تک زندہ بھی ہے تابندہ بھی
جو کام کسی سے ہو نہ سکا وہ کر کے دکھایا گاندھی نے

(۴۹)

پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات حسرت آیات پر

آہ! یہ کیا مرگِ بے ہنگام تو نے کر دیا　　قوم کی رگ رگ میں نس نس میں ہیجاں بھر دیا
سینۂ ہندی پہ اک کوہِ قیامت دھر دیا　　چھین کر امن و سکوں آلام کا دفتر دیا

انتہا کی تو نے اس پر ظلم کی بیداد کی
دیکھتے ہی دیکھتے خوشیوں کی جنت لوٹ لی

چھین کر اہلِ وطن سے قافلہ سالار کو　　بے نواؤں کے سہارے قوم کے غمخوار کو
صاحبِ فہم و فراست، مردِ خوش گفتار کو　　لشکرِ جرار کے عالی نسب سردار کو

ظلم سے وابستہ تو نے کر دیا کیوں اپنا نام؟
ہر کہ و مہ کے لئے کیوں کر دیا جینا حرام؟

چھا گئی ہے چار سو اُف کس قدر افسردگی　　ہو گئی مفقود گلزارِ وطن کی تازگی
آنکھ پُر نم ہے اگر ہونٹوں سے غائب ہے ہنسی　　کر رہی ہے آج ہر قلبِ حزیں پر بے کلی

جا گزیں سینے میں ہر خرد و کلاں کے درد ہے
فرطِ غم سے ہر کس و ناکس کا چہرہ زرد ہے

ایک حسرت سی برستی ہے گل و گلزار سے　　اٹھ رہا ہے نالہ و شیون در و دیوار سے
بہہ رہے ہیں آج قلزم دیدۂ خونبار سے　　ہر کوئی نالاں ہے ظلمِ چرخِ ناہنجار سے

صدمۂ جانکاہ سے دل وقفِ سوزِ غم ہوئے
ہند کے پیر و جواں نخچیرِ صد ماتم ہوئے

آہ! جواہر لال نہرو! اے سپہ سالارِ قوم　　اے وطن کے بے بدل دُر ثمین، سردارِ قوم
نیّرِ برجِ سیاست، طرّۂ دستارِ قوم　　ہے بجا گر دانئے تجھ کو اگر معمارِ قوم
رو ٹھ کر پہنچا ہے تو کس وادیٔ لولاب میں
کشتیٔ ہندوستاں کو چھوڑ کر گرداب میں

تو نسیمِ صبح تھا باغِ وطن کے واسطے　　تھا شمیم جاں فزا قومی چمن کے واسطے
ایک اُمیدِ بقا تھا خستہ تن کے واسطے　　شمعِ نورِ زندگی تھا انجمن کے واسطے
تو انیسِ بے نوا تھا، چارۂ بے چارگاں
دستگیرِ بے کساں تھا مایۂ اہلِ جہاں

تھی لگن تیری ہمیشہ ملک کی تعمیر سے　　گتھیاں سلجھائیں اس کی ناخنِ تدبیر سے
تو ستارہ تھا یہاں ہر ملک امن کی اکسیر سے　　دُور رکھا دیس کو تا زندگی شمشیر سے
تیرے ہی حسنِ تدبر سے بڑھا اپنا وقار
آگئی اپنے خزاں دیدہ چمن میں پھر بہار

دبدبہ عالم پہ چھایا تھا تری تحریر کا　　مانتے لوہا تھے دانشور تیری تقریر کا
پیار ہی حربہ تھا تیرا، قلب کی تسخیر کا　　مدعا تھا امن تیرے خواب کی تعبیر کا
تیرا مسلک تھا جہاں والوں سے صلح و آشتی
تیرا نصب العین تھا ہر ذی نفس سے دوستی

تیرے احسانات کو ہندی بھلا سکتے نہیں　　قلب سے تصویر تیری وہ مٹا سکتے نہیں
زخم جو دل پہ لگے ہیں وہ دکھا سکتے نہیں　　رہبر کامل وہ تجھ سا کوئی پا سکتے نہیں
تیری ہی ذاتِ گرامی پر بھروسہ تھا انہیں

ایک تیری ہی جہاں بانی پہ تکیہ تھا انہیں

تیری فرقت کے لگے جو زخم سہیں تو کس طرح — جو گزرتی ہے دلوں پر وہ کہیں تو کس طرح
اضطرابِ قلب کو ٹھنڈا کریں تو کس طرح — اشک کے سیلاب آنکھوں سے تھمیں تو کس طرح

تیری ارحلت قوم کو برقِ تپاں سے کم نہیں
تیرے مرنے کے برابر کوئی ہم کو غم نہیں

رَبِّ اکبر دے تجھے آغوشِ رحمت میں سُلا — شانتی بخشے تری روحِ مقدس کو خُدا
صبر و استقلال پائیں تیرے خویش و اقربا — گام زن ہو نقش پر تیرے ہر اک چھوٹا بڑا

تیرے آدرشوں سے ہندی روشنی پاتے رہیں
تیری توصیف و ثنا کے گیت سب گاتے رہیں

(۵۰)

ڈاکٹر ذاکر حسین

مَعدنِ لُطف و عطا تھے ڈاکٹر ذاکر حُسین
صاحبِ جود و سخا تھے ڈاکٹر ذاکر حُسین
مُعتقد تھا اُن کی دانش کا ہر اک چھوٹا بڑا
ذی ہُنر ذی مرتبا تھے ڈاکٹر ذاکر حُسین
حق پرستی تھی رواداری سے اُن کو پیار تھا
حق پسند و حق آشنا تھے ڈاکٹر ذاکر حُسین
حِلم کے پیکر تھے عجز و انکساری کا مثال

رباعی

مالکِ صبر و رضا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

اُن کی عظمت کے ترانے ہیں لبِ ہر فرد پر

مخزنِ علم و حیا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

صاحبِ حسنِ تدبر، حاملِ ظلِّ الہٰ

دردمندوں کی دوا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

اُن کے غم میں کیوں نہ اہلِ ہند ہوں ماتم کناں

ہندیوں کے رہنما تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

نیک طینت، نیک سیرت، نیک فطرت، نیک خو

صاحبِ عفو و عطا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

تھے پیمبر آشتی کے، امن کے سالار تھے

پیکرِ مہر و وفا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

بھول کب سکتے ہیں ہندی اُن کی باہم شفقتیں

بے نوا کا آسرا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

روحِ اقدس کو میسر ہو سکونِ دائمی

واقفِ رنج و بلا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

کون سلجھائے گا اپنی قوم کی اب گتھیاں

ناخنِ گرہ کشا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

پیار کتنا دل میں بچوں سے وہ رکھتے تھے رفیق

بے وسیلوں کی صدا تھے ڈاکٹر ذاکر حسین

۵۱

سردار ولبھ بھائی پٹیل کی وفات حسرت آیات پر

پھر بنتے بنتے اپنا مقدر بگڑ گیا
پھر ہندیوں کا باغِ تمنا اجڑ گیا

پھر چرخِ نابکار نے تاکا ہمیں کو ہے
پیکانِ غم نے اس کے پھر چھیدا ہمیں کو ہے

پھر سے وطن کی سرزمیں پھر ماتم کدہ بنی
بھارت کے تن میں موت نے پھر گھونپ دی انی

پھر بچہ بچہ قوم کا گریہ کناں ہے آج
پھر سوگوار دیس کا پیر و جواں ہے آج

پھر ناوکِ ملال سے سینہ فگار ہے
نالہ کناں ہے دل تو آنکھ اشکبار ہے

گھر گھر سے آج نالہ و شیون ہوا بلند
محفل میں اپنی قہقہوں کا شور ہوا بلند

پھر کرسیٔ وطن پہ گھٹا غم کی چھا گئی
پھر ہندیوں کو یاد کسی کی رلا گئی

چھائی فضا پہ چادرِ حزن و ملال ہے
فرطِ الم سے سینۂ وطن کا نڈھال ہے

چہروں کا مرد و زن کے آج اڑ گیا ہے رنگ
پھر عرصۂ حیات ہوا جا رہا ہے تنگ

کوچوں میں صم بکم ہیں یوں انساں کھڑے ہوئے
گویا لبوں پہ سب کے ہیں تالے پڑے ہوئے

رونق تھی جس سے بزم میں وہ شمع بجھ گئی
پھولی پھلی تھی نہ کشتِ تمنا کہ لٹ گئی

ماتم بپا ہے چار سو سردارِ قوم کا
حق بین و حق طراز کا سالارِ قوم کا

سالار کون؟ نازشِ ہندوستاں پٹیل
غم خوارِ قوم مونسِ خورد و کلاں پٹیل

ارضِ وطن کے واسطے جو آسمان تھا
باغِ وطن کے واسطے جو باغبان تھا

وہ جس کے نام نیک کی دنیا میں دھاک تھی
بے لاگ و بے نیاز جس کی ذات پاک تھی

جو جنگِ حُریّت میں سدا پیش پیش تھا — معبود جس کا دیش تھا مسجود دیش تھا
جس کو فرنگیوں کی نہ سطوت دبا سکی — جس کو نہ عزم سے کوئی قوت ہٹا سکی
اظہارِ حق میں جو کہیں چوکا نہیں کبھی — اپنا قدم اٹھا کے جو ٹھہرا نہیں کبھی
جو کوہ آسا بات پر اپنی ڈٹا رہا — جو سادگی کے حسن میں سردم اٹا رہا
لغزش نہ آئی بھول کر بھی جس کے پاؤں میں — جو خندہ زن رہا سدا تیغوں کی چھاؤں میں

حیف رفیقؔ اپنے نصیبوں کو کیا ہوا
جس گل پہ سب کو ناز تھا وہ بھی ہَوا ہوا

(۵۲)

سبھاش چندر بوس سے خطاب

شہسوارِ حُریّت! اے قوم کے نیتا سبھاش
اے سپہ سالارِ اعظم! اے کرم فرما سبھاش
آسمانِ ہند کا اِک نیّرِ اعظم تھا تو
ہندیوں کی زندگی کے ساز کا سرگم تھا تو
تو شبِ ظلمات میں اک ماہِ پُر تنویر تھا
تو کرم گستر تھا محبوبِ جوان و پیر تھا
تو گلستانِ وطن کا تھا گلِ رنگین ادا
بوستانِ ہند کی فضا تو بہارِ جاں فزا
کا ناقابلِ قدر تھی تیرے جذبے کی تڑپ

رات دن ٹھانتی رہی انگریز سے تیری مڈبھیڑ
اُس ستم گر نے تجھے محبوسِ زنداں کر دیا
تیرے ارمانوں کو ظالم نے کچل کر دھر دیا
حوصلہ چھوڑا نہ لیکن تو نے قید و بند میں
عزم خود توڑا نہ لیکن تو نے قید و بند میں
دھول آنکھوں میں سپہ داروں کی اک دن جھونک کے
تو زمینِ ہند سے کابل میں پہنچا ٹلے جھڑ کر
تیرے اس اقدام کو انگریز تکتا رہ گیا
تیری بے باکی پہ ظالم ہاتھ ملتا رہ گیا
جذبۂ دل نے تجھے اُس جا بھی سونے نہ دیا
وقت تیرا بے لبسی میں اس نے کھونے نہ دیا
تیری ہمت نے تجھے کچھ اور ہی ترغیب دی
تیری دانش نے سپاہ ہند کو ترتیب دی
لشکرِ جرار لے کر پھر تو صف آرا ہوا
ہندیوں کے درد کا درماں بنا، چارا ہوا
کس مپرسی میں بھی تو نے اے جری ہمت سپوت
اہلِ دنیا کو دیا اپنی شجاعت کا ثبوت
ہند کو طوقِ غلامی سے چھڑانے کے لئے
ہندیوں کو قعرِ ذلت سے اُٹھانے کے لئے

کوہ سے ٹکرلی ٹوٹتے اور کٹ کر جان دی
اپنی راحت ، اپنی عشرت قوم پر قربان کی
کب بھلا سکتے ہیں ہندی تیرے احسانات کو
کب مٹا سکتے ہیں لوحِ دل سے تیری بات کو
تُو تو اُن کی ہر نفس میں سمایا ہے شباش
ہندیوں نے تجھ کو سینوں میں بٹھایا ہے شباش
شک نہیں ہے ذات تیری باعثِ صد ناز بھی
قوم کو ہستی تیری مضراب تارِ ساز بھی
برملا کہتا ہوں میں اس میں نہیں مطلق کلام
تا ابد زندہ رہے گا فخرِ ملت تیرا نام

(۵۴)

نوحہ بر وفات حسرت آیات شری لال بہادر شاستری

پھر دلِ درد پئے آزار ہوا چرخِ ستم گر
پھر ٹوٹ پڑا کوہِ الم ہند کے سر پر
ابھرا بھی نہ تھا یہ چاند ابھی بامِ فلک پر
گہنا یا گیا ، پھوٹ گیا ، الٹ مقدر
پھر ظلمتوں میں ڈوب گئے بخت کے تارے

پھر ہائے اسے لے اہلِ وطن درد کے مارے

وہ قافلہ سالار شری لال بہادر
وہ گوہرِ شہوار شری لال بہادر
وہ قوم کا سردار شری لال بہادر
وہ دیس کا غم خوار شری لال بہادر
جنت کے لئے ڈھونڈ لیا چشمِ زحل نے
ہم ہندیوں سے چھین لیا دستِ اجل نے

وہ لطف کا پیکر تھا کمالاتِ وطن تھا
بے خوف و ریا باعثِ صد نازِ چمن تھا
وہ زینتِ گلزار سرِ سرو و سمن تھا
وہ صاحبِ تدبیر تھا، وہ صاحبِ فن تھا
ہر فرد کو مرغوب تھیں اس گل کی ادائیں
ہر دیکھنے والی نظر لیتی تھی بلائیں

گم نام سے اک گاؤں میں جب پائی ولادت
منہ دیکھنے کو پائی کٹھن نکبت و عسرت
تھی حشمت و شوکت نہ میسر تھی امارت
ماں باپ کے ورثے میں فقط آئی تھی غربت

رہائی

کر رکھا تھا خوش بختیوں نے اُن سے کنارا
اِس تیرگی میں کوئی نہ تھا اُن کا سہارا

خم ٹھونک کے عسرت سے ہوئے بر سر پیکار
ہمت نے کیا دولتِ حکمت کا سزاوار
راسخ تھا اگر عزم تو بے عیب تھا کردار
ہر گام پہ ہوتے رہے اقبال سے دوچار
قدموں پہ کھڑے ہو کے ذرا ہوش سنبھالا
ماں باپ کو اُس قعرِ مذلت سے نکالا

کیا کھول سناؤں یہاں کِس طور پڑھا وہ
ہر سنگِ مزاحم سے شب و روز لڑا وہ
ہر شام و پگہ آگے ہی آگے کو بڑھا وہ
بیدار ہوا بخت تو پروان چڑھا وہ
پھر ہر کس و ناکس سے وہ اخلاص بڑھایا
ہر دل میں اتر کر اسے گھر اپنا بنایا

تعلیم سے تدریس نے پائی جو فراغت
اربابِ سیاست سے بڑھی رسمِ محبت

گاندھی سے بڑھا پیار تو ہندو سے عقیدت
یہ اُن کی قرابت نے دیا جذبۂ خدمت
دُنیا کے زر و مال سے بے زار ہوئے وہ
حُبِّ وطن کے بادہ سے سرشار ہوئے وہ

پہچان گئے جوہرِ رخشاں کو جواہر
ساتھی بنا کے سونپ دیئے کارِ مؤثر
پولیس منسٹر بنے یا ہوم منسٹر
وہ کام کیا دیکھ کے دُنیا ہوئی ششدر
قُربان متانت تھی اگر صدقے فراست
ہر مرحلے میں کرتی رہی کام ریاضت

نیرنگِ زمانہ کی نگہ دیکھیے قدرت
نہرو جی ہوئے سوئے عدم دہر سے رخصت
تھی بحرِ تذبذب میں پڑی دیس کی قسمت
تفویض ہوا اِن کو قلمدان وزارت
اس صاحبِ تدبیر نے وہ کر کے دکھایا
مداح ہوا کام کا ہر اپنا پرایا

وہ امن کا حامی تھا پرستارِ محبت
تھا صلح کا حامل تھی اسے جنگ سے نفرت
حق گوئی اگر دھرم تھا، ایمان صداقت
نس نس میں شرافت تھی تو رگ رگ میں عنایت
ہر اک کے لئے دوستی کا ہاتھ بڑھایا
بھارت کی روایات کو پروان چڑھایا

بھائی نہ مگر دوستوں کو امن پسندی
ناپاک ارادوں نے انہیں جنگ کی شہ دی
گھس بیٹھیوں کی فوج بے انداز اک بھیجی
اور چھڑ گئی کشمیر کی سرحد پہ لڑائی
منہ دیکھتے اب رہ نہ سکے لال بہادر
بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے لال بہادر

اس جنگ کا جو دشمن بدکیش نے چھیڑا
دنیا کو ہے معلوم کہ انجام ہوا کیا
دس دن میں ہی یاد آیا اسے دودھ چھٹی کا
جیٹ خاک ہوئے، ہو گیا ٹینکوں کا صفایا
اطراف میں منہ کھولے نظر آئی ہزیمت

چلتی رگوں میں پاک کی خون ہو گیا سات

القصہ اِسی مرد جواں مردِ بسنتی جیتی
خوں ریز، تباہی سے اٹی جنگ کی بازی
صد حیف نہیں زندگی نے اُس سے وفا کی
پردیس میں ہی لٹ گئی اس دیس کی پونجی
بہبودِ وطن کے لئے قربان ہوا وہ
اِک رات میں ہی مقربِ یزداں ہوا وہ

کیا کچھ نہ کیا اور وہ کیا کر نہ دکھاتے
دو چار برس زندگی کے اور جو پاتے
بھارت کی نئی آن، نئی شان بڑھاتے
اِک دن اِسے پھر ہمسرِ فردوس بناتے
بدبختی! کہ ہم سب کا گیا پھوٹ مقدّر
رونے کو نہیں آنکھ کو اک اشک میسّر

(۵۴)

غالب

چاند بن کر جو ذکاوت کے فلک پر چمکا

سرِ راہ

تاج آیا جو سرِ علم و ادب پر دمکا
جس کو سب خسروِ اقلیم سخن کہتے ہیں
وہ جو شہوار ادب، صاحب فن کہتے ہیں
جس کے اشعار کا اک سکہ رواں ہے اب تک
معتقد جس کی سلامت کا جہاں ہے اب تک
جس کی تحریر پہ انسان ہی نہیں ہیں صدقے
آسمانوں کے فرشتے بھی بلائیں لیتے
جس کے اشعار کو اعجازِ معانی کہیے
جس کے افکار کو اسرارِ نہانی کہیے
سادہ الفاظ میں پوشیدہ وہ گہرائی ہے
جس کی تہ پانے کا ہر فرد تمنائی ہے
شعر جو لکھا ہے ہوئی اس پہ فصاحت صدقے
جو غزل دیکھیے ہے اس پہ بلاغت صدقے
زورِ الفاظ ذرا چستی بندش دیکھیں
شعر میں درد بھی سینے میں شورش دیکھیں
منہ میں ہندی کے وہ اسرار کے شربت گھولے
بحرِ انشا سے وہ عرفان کے موتی رولے
آب سے جن کی ضیا گیر ہے عالم سارا
تابناکی میں مہ و مہر بھی ہیں شرمندہ

سادگی کیا ہے عمق کتنا، روانی کیا ہے
کیا سخن سنجی ہے یہ زمزمہ خوانی کیا ہے
جو بھی سنتا ہے پڑا وجد میں سر دھنتا ہے
سُن کے پھر سنتا ہے، پھر سنتا ہے، پھر سنتا ہے
آبیاری کی گلستانِ ادب کی اُس نے
ریختہ گوئی کو اک زندگی بخشی اُس نے
بذلہ سنجی کے ہر اک شعبے میں یکتا تھا وہ
علم اور فن کے چمن میں گلِ لالہ تھا وہ
نقش دُنیا کے زمانہ تو مٹا سکتا ہے
کون غالبؔ کو زمانے میں بھلا سکتا ہے

قطعات

(۱)

بات کہہ دے کوئی سچی تو بگڑتے کیوں ہو؟
ہو خطاوار، سرِ بزم اکڑتے کیوں ہو؟
امن سے، آشتی سے بات اگر بنتی ہے
اپنے ہی سایہ سے بے کار جھگڑتے کیوں ہو!

(۲)

اپنے ماں باپ کی خدمت کو سعادت سمجھو
دردِ الفت کی تہی دستی شقاوت سمجھو
ملک اور قوم پہ بھی جان نچھاور کر دو
خدمتِ خلق ہی اللہ کی عبادت سمجھو

(۳)

جدھر دیکھتا ہوں، جہاں دیکھتا ہوں
بہر سُو دھواں ہی دھواں دیکھتا ہوں

یہ دانے کو محبت ہے وہ برہنہ تن
میں غربت میں جلا جہاں دیکھتا ہوں

(۴)

مصائب کے طوفان سے اڑ جانا سیکھو
الم کے پہاڑوں سے ٹکرانا سیکھو
نہیں کام دنیا میں سب ہمتوں کا
جوان مرد کی طرح مر جانا سیکھو

(۵)

کیوں یاس کے نرغے میں مغموم ہوا نادان؟
کانٹوں میں گلستاں کے رہ گل کی طرح خنداں
آلام و تفکر تو چھوٹیں گے نہ آخر تک
آلام و تفکر سے پھر کس لئے ہے ترساں؟

(۶)

ہم عشق کے سودے میں سب مال لٹا بیٹھے
آزارِ مسلسل کو ہم ساز بنا بیٹھے
ہمدرد نہیں کوئی، ہم راز کہاں ڈھونڈیں
جس دل پہ بھروسہ تھا وہ دل ہی گنوا بیٹھے

(۷)

کس لئے غیر کے پیچھے پہ قدم دھرتا ہے

کس لئے [illegible] کیش [illegible] عبرت کے
حق کے انصاف پہ [illegible] ہے اے دوست
عیز کے [illegible] کی جبیں [illegible] کیوں کرتا ہے!

(۸)

کتنے رذیلوں کو نہ برگزیدہ کیا
[illegible] ہو کے ہر کام سے [illegible]
[illegible] گھومیں گے تیری [illegible]
ان کمینوں سے [illegible]

(۹)

[illegible] دیکھ
[illegible] دیکھ
[illegible] رکھا
[illegible] خورشید [illegible] نکلا ہے دیکھ

(۱۰)

[illegible] دولت نہ ثروت چاہیے
دبدبہ نہ جاہ و حشمت چاہیے
میں تو کہتا ہوں فقط یہ برملا
آدمی میں آدمیت چاہیے

(۱۱)

قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں اپنے بچے
کیا ہوا عمر میں چھوٹے ہیں آج اگر یہ بچے
ہاتھ میں ان ہی کے کل ملک کی قسمت ہوگی
ان کا کردار ہو اونچا ہوں زبان کے سچے

(۱۲)

قعرِ پستی سے غریبوں کو اُٹھانا سیکھو
اُن کی سوئی ہوئی قسمت کو جگانا سیکھو
آتشِ بغض و کدورت کو جہاں میں ہر سو
لطف اور پیار کے پانی سے بجھانا سیکھو

(۱۳)

بات اک میری یہ پلّے باندھنا
چار چیزوں کو نہ تھوڑا جاننا
قرض، بیماری، پرانی نار، مے
ان سے بچنا ہی سعادت ماننا

(۱۴)

ہر سال کے بچوں سے بڑھتی ہے گرانی بھی
ڈھل جاتی ہے صورت بھی گھٹتی ہے جوانی بھی
اس دورِ گرانی میں بچوں سے پناہ مانگو

ایسا نہ کروگے تو یاد آئے گی نانی بھی

(۱۵)

سطح آب ضلالت پہ ٹھہرنا سیکھو
زخم، کھائیں کے مداوا سے گزرنا سیکھو
ہو اترنا ہی اگر آپ کا مقصد زیست
دل ہر فرد میں [illegible] اترنا سیکھو

(۱۶)

زندگی پھول پہ شبنم ہے، یہ معلوم نہیں ہے
زندگی وقت تلاطم ہے، یہ معلوم نہیں ہے
جس کو کہتے ہیں زیست کی خاطر جگایا سب نے
زندگی بیری کا دم خم ہے، یہ معلوم نہیں ہے

(۱۷)

تو مجلی گردوں پہ، وہ راہ میں لیٹا ہے
انسان تو ہے آخر قسمت کا گو ہیٹا ہے
ہمدردی کے دو جملے لب پر تو ترس آئے
نادان! وہ مفلس بھی اللہ کا بیٹا ہے

(۱۸)

بیلے بھی کیا پاس اگر تو نے برا کیا؟
تعمیر کیا اونچا محل بھی تو بیٹا کیا؟

(۱۸)

اگر تو نے کچھ اٹھایا نہ ہی روتوں کو ہنسایا
اگر تو نے کیا بھی تو کیا کیا؟

(۱۹)

سوزِ پنہاں ہے، اشکباری ہے
دل پہ غم کی گھٹا سی طاری ہے
دل تڑپتے، سسکتے ہیں ہر آن
بے قراری سی بے قراری ہے

(۲۰)

جو بھی شیریں زباں نہیں رکھتا
وہ زمانے میں دکھ اٹھاتا ہے
کتنا اچھا بھی کھیرا ہو، لیکن
اپنی تلخی سے سر کٹاتا ہے

(۲۱)

ترقی کا بھی جسے نہیں احساس
پڑا غفلت میں وقت کھوتا ہے
ایسا کم عقل زندگی بھر
ہاتھ مل مل کے خوب روتا ہے

(۲۲)

تجھ پہ خالق کا کرم ہے تو کبھی بھول نہ جا

تکبر و نخوت کی مئے تند میں جھول نہ جا
ہاتھ سے چھوڑ نہ تو عجز و عطا کا دامن
جس نے اعزاز یہ بخشا ہے اُسے بھول نہ جا

(۲۳)

غیر کیا خویش کو بھی رازِ نہانی نہ سنا
رنج و آلام کی تو رام کہانی نہ سنا
سُن کے افسانہ تری دنیا اُڑائے گی مذاق
اس سے بہتر ہے کہ تو فکر و معانی نہ سنا

(۲۴)

جوشِ گریاں کا تو قصہ ابھی نہ چھیڑ
یہی اچھا ہے گزشتہ کے ورق اب نہ اُکھیڑ
ساتھ دے وقت کا اور دھیان میں رکھو مستقبل
بے اثر کام نہ کر پیار سے سلجھا نہ اُدھیڑ

(۲۵)

تو نے رنگینیٔ عالم کے تماشے دیکھے
رات دن حسن و جوانی کے مزے بھی لوٹے
دل پہ رکھ ہاتھ مرے دوست ذرا کہہ دے ہی
تو نے آنسو بھی کبھی پونچھے ہیں ستم دیدہ کے

[illegible]

(۶۴) [illegible] ہے [illegible] تو کچھ نہیں
[illegible] دیوانگی تو کچھ نہیں
[illegible] تجھ میں ہوں تو صاحب [illegible]
[illegible] جو ہر مردانگی تو کچھ نہیں
[illegible]

(۶۵) حق گو کے لئے دار و رسن، زہر ہلاہل
[illegible] کے [illegible] نعمتیں [illegible]
شیدائے وطن [illegible]
غدار کو انعام [illegible]
[illegible]

(۶۶) اک شیر سے دنیا کو رام کرتا جا
ایک دل میں اتر کر مقام کرتا جا
[illegible] آندھیاں [illegible]
[illegible] پہ رکھ کے بھروسہ تو کام کرتا جا
[illegible]

(۶۷) [illegible] زبانوں پہ تالے نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]

رباعی

یہ جینا کے ڈسنے کو کالے نہیں رہیں

(۳۰)

نہیں نام لیتا ہے کوئی خدا کا
زمانے میں ہے زور حرص و ہوا کا
نہیں سیدھے منہ اب کوئی بات کرتا
گیا وقت شفقت کا عفو و عطا کا

(۳۱)

غم بساطِ زندگی ہے، غم محبِّ دل نواز
غم نوائے زیست، غم بیمارِ دل کا چارہ ساز
بادۂ صبر و شکیبائی پلا دیتا ہے غم
غم نویدِ سرخوشی، غم فرحتِ راز و نیاز

(۳۲)

آفتاب ہو کہ ماہ تاب ہو تم
یاسمین ہو کہ اک گلاب ہو تم
آزما کے ہم نے دیکھ لیا
ایک دھوکا ہو اک سراب ہو تم

(۳۳)

آنکھ کیا آنکھ ہے جب اس میں مروت ہی نہیں
دل وہ کیا دل ہے کہ جس میں محبت ہی نہیں

ایسے افراد کی دُنیا کو ضرورت کیا ہے؟
جن میں غیرت ہی نہیں جوشِ حمیت ہی نہیں

(۳۴)

موجبِ ذلت و آزار ہے کاہل کا وجود
جیسے بے فیض ہو بے آب کے ساحل کا وجود
ملک کی قوم کی گھر در کی تباہی کا سبب
ہے اگر کوئی تو وہ ہے کسی جاہل کا وجود

(۳۵)

یہ غلط ہے یہ بہن ہے وہ برادر اپنا
لختِ دل اپنا ہے یار اپنا ہے دلبر اپنا
وقت پڑنے پہ ہوا اچھی طرح یہ معلوم
کوئی بھی اپنا نہیں ہے تو مقدر اپنا

(۳۶)

بھلائی کر چلو جگ میں بھلا اس سے بڑا کیا ہے
بھلائی کرنے والوں کا جہاں میں نام زندہ ہے
یہی معدن ہے راحت کا یہی فرحت کا سرچشمہ
بھلائی کے سوا اس بزمِ امکاں میں دھرا کیا ہے

(۳۷)

سروں پہ گھٹائیں منڈلا رہی ہیں

گلشن میں جنگ کی پھر تیاریاں ہیں
اُٹھو اک بار پھر ہندی سپوتو
دھنا دھن کی صدائیں آ رہی ہیں

(۳۸)

بڑائی و نخوت کے زعم میں تم کو
چھوٹے لوگوں سے اتنی نفرت ہے
وہ بھی بندے خدا کے ہیں، اُن سے
پیار کرتا ہی آدمیت ہے

(۳۹)

پس رہے ہیں ستم کی چکی میں
لب پہ دل دوز ایک نالہ ہے
نیک طینت کا اب خدا حافظ
ہر قسم غنڈوں کا بول بالا ہے

(۴۰)

جھونپڑی میں رہا، تھے ہمت تو بیٹھا رہا
ڈر رہے تو دریا کے اُس پار تیرنے کا
ہر کام کے کرنے میں ہمت کی ضرورت ہے
اُٹھو کود پڑا پانی میں جو تیرتا جا

٥٥

متفرقات

[illegible]

۹۶

۵۵

قوالی

اے مقدس وطن! ارضِ دہر آفریں — کس قدر ہے تو جاذبِ نظر اور حسیں
تیرا ہمپایہ گلزارِ جنت نہیں — دیس دیکھے بہت روم جاپان و چیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

تیری گلپوش و گلگوں قبا وادیاں — لہلہاتی ہوئی چار سو کھیتیاں
دوڑتی، شور کرتی ہوئی ندیاں — کتنی دلکش ہیں! دلدادہ تیرا ہر دل نشیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

گلستانوں میں پھولوں کی رعنائیاں — پربتوں کی فلک بوس اونچائیاں
جا بجا حسنِ قدرت کی پرچھائیاں — لیلئ حسن ہر شے میں محمل نشیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

تو نے وہ سورما، اہلِ دانش جنے — جو جہاں کے لیے چاند سورج بنے
بدھ، گوبند، ٹیپو، شوا، گوکھلے — جن کے آگے جھکا تھا جہانِ زمیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

گود میں تیری کھیلے تھے رام اور کرشن — بے بدل فلسفی، صاحبِ علم و فن
جن کا ثانی نہ چین، جن کا اونچا وطن — جن کی قربت سے بن جائیں دنیا و دیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

صحنِ گلشن مہک سے مہکتا ہوا — کہیں رمنوں میں سبزہ لہکتا ہوا

تیرے [illegible] گلوں پر چہکتا ہوا   دور و نزدیک اک کیف وجد آفریں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

دیکھ ایلورا، اجنتا کی صنعت گری   چھا گئی کل جہاں پر تری برتری
کیسے کیسے قدرت کرے تاج کی ہمسری   بے بدل ہے یہ عالم میں زرّیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

تو نے عالم کو اک اونچی تہذیب دی   نظم دنیا کو اچھی سی ترتیب دی
درسِ انسانیت دیا، تادیب دی   بھائی چارے کو دی جگہ اولیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

آج بھی ہر سو حاصل ہے عزت تجھے   آج بھی ہر سو حاصل ہے سطوت تجھے
آج بھی ہر سو حاصل ہے شہرت تجھے   سرِ دنیا کا تو ہی ہے تاجِ نگیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

کیوں نہ تن من میں تجھ پر نچھاور کروں   کیوں نہ سر اپنا قدموں پہ تیرے دھروں
تیری خاطر جیئوں، تیری خاطر مروں   مادرِ مہرباں سے تو کم ہی نہیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

تیرا پرچم بلندی پہ آئے نظر   مرتبہ ہو ترا بیش سے بیش تر
رہے جب تک یہاں دورِ شمس و قمر   تو شگفتہ رہے صورتِ یاسمیں
کوئی تجھ سا نہیں، کوئی تجھ سا نہیں

جنگی گیت

(Marching Song)

بڑھے چلو بہادرو، بڑھے چلو دلاورو

بڑھے چلو رکو نہیں، بڑھے چلو جھکو نہیں

ہمارا عزم ہے یہی اگر کٹے تو سر کٹے

جھنڈے میں نہ آنچ آئے گی عزیز جاں ہی

تو فکر و غم کی بات کیا، مصیبتوں کی رات کیا

ستم کو پیستے بڑھے، اجل سے کھیلتے ہوئے

قدم قدم پہ جاں رواں، ابھی یہاں ابھی وہاں

بڑھے چلو رکو نہیں، بڑھے چلو ڈرو نہیں

بلندیوں کو پھاندتے، سمندروں کو چیرتے

علم کو ہاتھ میں لئے بہادروں کی شان سے

لگا کے دھوم دھام کا دھڑم دھڑم بڑھے چلو قدم قدم

ہے موت میں بھی زندگی، سبق یہی ہے زندگی کا

وطن ... بڑھے چلو، بہادرو بڑھے چلو

بڑھے چلو، بڑھے چلو

برہن کا گیت

یاد آئی رے برہا جن کی — آس بندھاؤں کیسے من کی
نین کٹورے بھر بھر آئیں — بھڑک اٹھی ہے جوالا تن کی
پاپی پپیہا پی پی بولے — پل پل کوکے کوئل بن کی
ٹوٹ گئی ہے آشا اپون — شرن گئی ہوں اب سجن کی
کب سے باٹ میں جوہ رہی ہوں — کب سے آس رکھی درشن کی
آپ نہ آئے دوت نہ بھیجا — سدھ بدھ بھول گئے برہن کی
پاتی لکھ لکھ ہار گئی ہوں — بیگ خبر لو جیون دھن کی
دھڑ دھڑ کر کا لجوا دھڑکے — سڑ سڑ جلتی کایا تن کی
برسیں نیناں رم جھم رم جھم — جیسے گھٹائیں ہوں ساون کی
باہر سندر بھیتر جوالا — میں ہوں اک لکڑی چندن کی
آ بھی جاؤ پران پیارے — کر دو آشا پورن من کی
بکھرے بال پریشاں زلفیں — حالت دیکھو اک جوگن کی
پل بھی جاوے انت گھڑی ہیں — میں اتنی ہوں اب پل چھن کی
مانو تم چاہے نہ مانو — بات کہے دیتی ہوں من کی
اب کے بھی یدی تم نہ آئے — ارتھی دیکھو گے برہن کی

۵۸

دو منو

شام و سحر ہیں پیٹ کے دھندے پیار کے نغمے گائے کون؟
سر پر ٹوٹا قرض کا پربت، پریم کی پینگ بڑھائے کون؟
دودھ میں پانی گھی میں ملاوٹ، ہلدی مسالہ ریت سے پُر
کیا پکوان پکیں گے ان سے، پک بھی گئے تو کھائے کون؟
دس بارہ ہے روز کا خرچہ، تنخواہ میری ایک سو بیس
جیبیں خالی، ڈبیہ ٹھن ٹھن، ہم سے آنکھ ملائے کون؟
گھر کی دیوی فیشن ایبل، بیٹا مانگے تھیٹر الیس
کس کس کی ہوں مانگیں پوری، برتن بیچ کے کھائے کون؟
کھانے کو نہیں گھر میں آٹا، نفس پرستا روزوں پر
گھر کی پلٹن بڑھتی جائے، کوٹ سے ستو کھائے کون؟
یہ ہندو وہ مسلم یا سکھ، اک عیسائی اک جینی
ہندوستانی بنا نہ کوئی، دیس کا دُند بٹائے کون؟
آٹھ پہر کی ٹیک ٹک، دھن دھن، سر پر ٹوٹا سا گھر
جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، مزا ملیں چین لبائے کون؟
بچپن بھاگا، گئی جوانی، پیری نے خم ٹھونک دیا
روٹھ کے بیٹھی روپ کی رانی، جگا اپنا بہلائے کون؟